

جاسوسی دنیا نمبر 33

بُرْف کے پھوٹ

(مکمل ناول)

پُر اسرار نشانات

موسم بہار کا آخری پرندہ بھی دردناک آوازوں میں کراہتا ہوا لڑ گیا۔

ٹیکم گذھ کی پہاڑیوں میں برف گرنے لگی تھی۔ پہاڑی ٹاؤں کی سطحیں جم گئیں تھیں لیکن ان کے نیچے اب بھی پانی بہہ رہا تھا اور جہاں برف کی تہہ زیادہ موٹی نہیں تھی وہاں سے لمبیں تک صاف دکھائی دیتی تھیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سورج نکل آتا اور چند ہی گھنٹوں میں برف کی تہہ پکھل جاتی اور نالے پھر اپنی پہلی سی طوفان خیزیوں کے ساتھ بہنے لگتے۔

درختوں کی شاخیں پتیوں سے محروم تھیں۔ البتہ سدا بہار درخت اب بھی اپنی سبز قباسیت پر غور انداز میں سر اٹھائے کھڑے تھے۔

سردیوں میں ساری رونق ختم ہو جاتی ہے۔ درختوں کے تنوں سے لپٹی ہوئی خود رو بیلیں اپنے زرد نیلے اور سرخ پھولوں سمیت سیاہ رنگ کی پتلی ڈوریوں کی شکل میں تبدیل ہو کر جھولتی رہ جاتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے گوشت چھوڑ کر ہڈیاں پھینک دی ہوں۔

اس موسم میں میدانوں کے وہ سیاح بھی نہیں دکھائی دیتے جو رومان کی تلاش میں یہاں آتے ہیں۔ وہ تجھیں پرست نوجوان بھی نہیں نظر آتے جو موسم بہار میں یہاں کے لکڑی کے مکانوں میں بیٹھ کر اسٹر ونگ قسم کی کافی اور تلخ تباکو والے سگاروں کے ساتھ خود کو سوئزر لینڈ کے کسی گاؤں میں محسوس کرتے ہیں۔

سردیوں کے موسم میں اگر ٹیکم گذھ کی پہاڑیوں میں رانفلوں کی آوازیں نہ گونجتی رہیں تو اسے مردوں کی بستی بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ بڑے بالوں والی لوڑیوں اور بھیڑیوں کے شکاری ہی

”لڑکی کا کیریکٹر کیسا تھا۔“ فٹپولیس آفسر نے اُسے مغلوب کیا۔
”کیریکٹر....!“ فیجر آہستہ سے بولا۔ ”میری دانست میں تو وہ بڑی بڑی نہیں تھی۔“
”آپ اپنی دانست کو رہنے ہی دیجئے۔“ پولیس آفسر نے منہ بگاڑ کر کہا۔ ”میں دوسروں کی
رائے پوچھتا ہوں۔“
”بھی آپ زیادتی کر رہے ہیں۔“ فیجر ایک پھیکی سی مسکراہٹ کیسا تھا بولا۔ ”دوسروں
کی رائے دوسروں سے پوچھئے۔“

پولیس آفسر اس تین جواب کو اپنے ایک ساتھی کی طرف متوجہ ہو کر ٹال گیا۔
فیجر مضطرب باند انداز میں اپنی انگلیاں کاؤٹر پر ہلکھلاتا رہا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ڈائینگ ہال میں پھر تنفس داعل ہوئے جن میں چار عورتیں اور دو مرد
تھے۔ مردوں میں ایک بوڑھا مگر ویجہہ اور کافی تند رست تھا۔ دوسرا ایک قبول صورت اور قوی
الجیش نوجوان تھا۔ عورتوں نے اپنی کھال والی سرمائی ٹوپیاں اس طرح جھکار کی تھیں کہ خود خال کا
صحیح اندازہ لگانا شوار تھا۔ ان سمحوں نے لمبی پوستیں پین رکھی تھیں۔

”فرمائیے۔“ فیجر ان کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ پولیس والے بھی انہیں گھور رہے تھے۔
”مجھے روشنی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔“ پولیس والے بھی انہیں گھور رہے تھے۔
”اوہو.....بھی ہاں.....تارٹا تھا۔.....مگر مجھے افسوس ہے کہ میں کوئی خدمت نہ کر سکوں گا۔“
”کیوں؟“ نوجوان اُسے گھور کر بولا۔

”ساری لڑکیاں چلی گئیں۔“ یہاں ایک حادثہ ہو گیا ہے۔ ”فیجر ہاتھ ملتا ہوا بولا۔“
”لڑکیاں! حادثہ۔“ عمر آدمی کے لجھے میں جرت تھی۔ ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“
”جی ہاں لڑکیاں... وہی تو سب کچھ تھیں۔ نہ میں کھانا پا کستا ہوں اور نہ کر سکتا ہوں۔“
”ٹھیک ہے! ٹھیک ہے۔“ عمر آدمی نے سر ہلا کر کہا۔ لیکن وہاب بھی جواب طلب نظر وہ
نے فیجر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”اور پھر آپ کے ساتھ لیدیز بھی ہیں۔“ فیجر نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ واقعہ معلوم
ہونے کے بعد وہ خود بھی یہاں شہرناپذندہ کریں گے۔“
”تو بتائیے ناداقعہ۔“ نوجوان جھنجلا کر بولا۔ ”آخر بہم کہاں جائیں گے۔ آپ کو ایک ماہ

یہاں تھوڑی سی زندگی پیدا کر دیتے ہیں۔ وہ بھی یہاں کے مقامی باشندے نہیں ہوتے، میدان
علاقوں سے آتے ہیں۔ علاقائی حکومت معقول معاوضے پر انہیں شکار کی اجازت دے دیتی ہے اور
انہیں کی بدولت شونگو قوم کے افراد سر دیوں میں بھی تھوڑی بہت کمائی کرتے رہتے ہیں۔ وہ
شکار کئے ہوئے جانوروں کی کھالیں اتارتے ہیں اور ان میں نمک لگا کر اس طرح پیک کرتے ہیں
کہ وہ کافی عرصے تک ٹیزی کی شکل دیکھے بغیر بھی خراب نہیں ہوتی۔ ان کے علاوہ یہاں
سر دیوں میں دوسرے مژدوروں کو عموماً ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ہی بیٹھا رہنا پڑتا ہے۔

شکاریوں کی بدولت یہاں کے کئی ہوٹل سر دیوں میں بھی آباد رہتے ہیں لیکن ان میں سب
سے زیادہ اہمیت ”فرارو“ کو حاصل ہے۔ مقامی باشندے اسے ”رشک ارم“ بھی کہتے ہیں۔ موسم
بہار میں تو یہ صحیح رشک ارم ہی معلوم ہوتا ہے۔ یا اتنی بلندی پر واقع ہے کہ یہاں سے دور دراز
کے پہاڑی سلسلوں کی بر قابلی چوٹیاں صاف دکھائی دیتی ہیں اور اسی بناء پر زیادہ تر شکاری تیکیں قیام
کرتے ہیں۔ یہاں سے انہیں اپنے شکار پر نظر رکھنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔

”فرارو“ لکڑی کی ایک خوبصورت اور سادہ سی عمارت ہے۔ مسافروں کے قیام کے لئے اس
میں بیس کرے ہیں۔ اس کی بیرونی دیواریں، جو بڑے بڑے گول ہمیتیوں کو جوڑ کر بنائی گئی ہیں
بھورے رنگ کے وارنچ سے رنگی ہوئی ہیں۔ اندر کی طرف لگے ہوئے سپاٹ تختوں پر سفیدے
کا پینٹ ہے اور اندر سے یہ دیواریں پہلی نظر میں لکڑی کی نہیں معلوم ہوتی۔

آج مطلع صبح سے ابر آگوڈ تھا اور برف گرنے کے سارے امکانات موجود تھے۔ لیکن فرارو
کی چینیاں سنباں پڑی تھیں، حتیٰ کہ باور بھی خانے کی چینی سے بھی دھواں نہیں انھر رہا تھا۔
ٹیکم گذہ کا ایک پولیس آفسر چند کاشیوں کے ساتھ صحیحی سے وہاں موجود تھا اور فرارو
کے فیجر کا چہرہ اس طرح سفید پر گیا تھا جیسے اس پر بھی برف کے ذرات کہ تھے جم گئی ہو۔ یہ ایک
بھاری بھر کم مگر معموم صورت آدمی تھا۔ عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان رہی ہوگی۔ آنکھیں
بڑی اور عمر کی میانگی سے غیر معمولی طور پر چلیں تھیں۔ چہرا بھرا ہوا تھا لیکن اس پر کر خلیگی کی
بجائے نہ رہا تھی۔ اسی نہ رہا تھے عام طور پر زرم دلی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس وقت وہ
بہت زیادہ مضطرب نظر آ رہا تھا۔ کبھی وہ ڈائینگ ہال میں بیٹھنے ہوئے پولیس والوں کی طرف دیکھتا
تھا اور کبھی برف سے ڈھکی ہوئی پہاڑیوں پر نظریں جوادیتا تھا۔

پہلے ہی مطلع کر دیا گیا تھا۔ ”

”جناب والا! آپ کا غصہ بجا ہے۔“ فیجر نے غم انگیز انداز میں کہا۔ ”لیکن حادثات اچانک ہی ہوتے ہیں۔“

پولیس والے بدستور خاموش بیٹھے رہے۔ البتہ ان کا آفیسر اس مختصر سی ٹولی کو بڑی عجیب نظر وہ سے دیکھ رہا تھا۔

”کچھ بتائیے گا بھی....“ نوجوان بولا۔

فیجر پولیس والوں کی طرف دیکھ کر رہا گیا۔ چند لمحے کچھ سوچتے رہنے کے بعد اس نے کہا۔ ”ہماری ایک لڑکی کو کوئی بیچھلی رات اٹھا لے گا۔ برف پر ڈیڑھ فٹ لمبے....!“

اس کا جملہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ پولیس آفیسر میر پر ایک زوردار گھونسہ مار کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سب چونکہ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ نوجوان نے اُسے نیچے سے اوپر تک گھور کر دیکھا۔

”ضھول باتیں نہیں۔“ پولیس آفیسر نے فیجر کو خاطب کیا۔ ”اپنے بزنیں کی باتیں بیچھے۔“ ”جناب والا! وہی کہنے جا رہا تھا۔“ فیجر کی خوش اخلاقی میں اب بھی کوئی فرق نہ آیا۔ پھر اس نے اجنبیوں کی طرف مڑ کر کہا۔ ”ساری لڑکیاں خائف ہو کر شہر چل گئی ہیں اور میں فی الحال دوسرے ملازمین کا انتظام نہیں کر سکتا، بلکہ ہو ہی نہیں سکتا۔“ نئے آدمی آپ کی تکلیف کا باعث ہوں گے۔“

”اس کی فکر نہ کیجئے۔“ نوجوان مسکرا کر بولا۔ ”ہم اپنی خدمت آپ کر لیں گے۔ ہمیں صرف ہمگ چاہئے۔“

”اے، بے! بت تو بت کرے ایک ماہ قبل ہی سے مخصوص کردیئے گئے تھے... مگر لیدیز۔“ ”لیدیز۔“ نئے بھی آپ فکر مند نہ ہوں۔ ”نوجوان نے کہا۔“ ہمارے چار ساتھی سامان کے ساتھ آ رہے ہیں۔ تم لیدیز کی بھی حفاظت کر لیں گے۔“

”آخر بات کیا ہے؟“ معمر آدمی نے پوچھا۔

اس اشناہ میں پولیس آفیسر میر سے اٹھ کر ان کے قریب آگیا تھا۔ اُس نے ان سے پوچھا۔ ”آپ لوگ کون ہیں اور کہاں سے تشریف لائے ہیں۔“

”مسافر ہیں کچھ دن شکار کھلیں گے اور واپس چلے جائیں گے۔“ نوجوان نے کہا اور پھر فیجر

کی طرف مڑ کر بولا۔ ”تو پھر ہمیں ہمارے کمرے دکھانے تھے۔“

”مسافر....!“ پولیس آفیسر نے چھپھلا کر کہا۔ ”میں آپ سے آپ کا نام اور پتہ پوچھ رہا ہوں۔“

”اُبھی ہم سب ہوٹل کے رجسٹر میں اپنا نام اور پتہ تحریر کریں گے۔“ اس نے خندہ پیشانی سے جواب دیا۔

عورتیں بے اختیار مسکرا پڑیں۔ فیجر اٹھ کر انہیں کمرے دکھانے کا ارادہ کرہی رہا تھا کہ پولیس آفیسر اسے گھور کر بولا۔ ”اُبھی ان کمروں کی طرف کوئی نہیں جا سکتا۔“ فیجر بے بھی سے مسافروں کی طرف دیکھنے لگا۔

”ظاہر ہے کہ ہم اس کمرے میں نہ جائیں گے۔“ نوجوان نے آفیسر سے کہا۔ ”کس کمرے میں۔“ آفیسر کی آنکھوں سے شبہ جھانکنے لگا۔ ”چہاں واردات ہوئی ہے۔“

”آپ کو کیا علم کہ واردات کسی کمرے میں ہوئی ہے۔“ آفیسر نے تیز لمحے میں پوچھا۔ ”بالکل سامنے کی بات ہے۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔ ”ظاہر ہے کہ اُسے سوتے وقت ہی کوئی اٹھا لے گیا ہو گا اور اس موسم میں وہ کسی کمرے ہی میں سوتی ہو گی۔“

آفیسر اسے چند لمحے گھوڑا پر پھر فیجر سے بولا۔ ”کمرے کے دروازے کے سامنے والے فرش پر میں کسی قسم کے نئے نشانات دیکھنا پسند نہ کروں گا۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”مطلوب یہ کہ میں فٹوگرافروں کا انتظار کر رہا ہوں۔“ آفیسر نے کہا۔ ”اُن کے آنے سے قبل کسی کو اس طرف سے نہ گذرنا چاہئے۔“

”بہت بہتر۔“ فیجر بولا۔ ”لیکن آپ لوگوں کے کمرے ادھر نہیں ہیں۔“

پولیس آفیسر کچھ کہنے پھر اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ گیا۔

فیجر نے سر کے اشارے سے آنے والے کو اندر چلنے کو کہا۔

ڈائیگ ہال سے نکلتے ہی معمر آدمی نے فیجر سے پوچھا۔ ”آخر بات کیا ہے؟“

”کیا بتاؤں جناب.... انہوںی! بیچھلی رات بھی کسی وقت برف باری ہوئی تھی اور اس کے

بعد ہی یہ واقعہ پیش آیا۔ یہاں کی لڑکوں میں سے ایک جو اپنے کمرے میں سوئی تھی پر اسرار طور پر غائب ہو گئی۔ باہر کھڑکی کے نیچے برف میں ڈبیٹھ فٹ لبے انسانی پیروں کے نشانات ملے ہیں۔“
”کیا....؟“ نوجوان پلتے پلتے رک گیا۔ اُس کے ساتھ سب تھہر گئے۔ عورتوں نے اپنی بالدار ٹوپیاں اوپر کر لیں۔ اُن کے چہروں پر استجواب اور خوف کے مطبلے آثار تھے۔
”جی ہاں۔“ فتحبر سر ہلا کر بولا۔ ”ڈبیٹھ فٹ لبے نشانات جواب بھی قائم ہیں اور کمرے کے اندر بیکھر ہوئے پیروں کے دھبے جو خشک ہو جانے کے بعد بھی موجود ہیں۔“

”اُس کے غائب ہو جانے کے متعلق صحن معلوم ہوا؟“ نوجوان نے پوچھا۔
”جی ہاں... اور پھر بقیہ لڑکیاں کسی طرح نہ رک سکیں۔ مجھے انہائی افسوس ہے کہ میں آپ کی خدمت سے محروم ہو گیا۔ فراہد اپنی سرودس کے لئے پورے شہر میں مشہور ہے۔“
”تواب یہ پولیس والے کیا کر رہے ہیں؟“ نوجوان نے کہا۔
”کریں گے کیا؟ مجھے پریشان کر رہے ہیں۔ یہ لوگ میرے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں رکھتے کیونکہ میں اپنی لڑکوں پر کڑی نظریں رکھتا ہوں۔ انہیں غلط راستوں پر ہمیں جانے دیتا۔“
وہ گفتگو کرتے ہوئے اُن کردوں کے سامنے آگئے۔

”آپ کے پاس کمرے توکل میں عدد ہیں۔“ نوجوان بولا۔ ”ایک ایک کرہ اُن لڑکوں کے قبضے میں ہو گا۔ ویسے ہی بر سبیل تذکرہ... کتنی لڑکیاں یہاں تھیں۔“
”آٹھ... لیکن اُن کے لئے صرف دو کمرے ہیں۔“
”تو وہ لڑکی اس کمرے میں تھا نہیں تھی۔“

”تھا تھی! وہ دراصل ہیڈوٹریلیں تھی۔ اس لئے الگ سوتی تھی۔ اُس کا چھوٹا کمرہ الگ ہے اُسی سے ملا ہوا در ابرا کمرہ ہے جس میں بقیہ سات سوتی تھیں۔“

”انہوں نے بھی چھپلی رات کو کوئی آواز نہیں سنی تھی۔“ نوجوان نے پوچھا۔
”جی نہیں... یہ دیکھنے یہی آپ کے کمرے ہیں۔ میں نے اس کا خاص خیال رکھا تھا کہ سب ایک ساتھ ہوں۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔ میں اُن حضرات کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔“
”اوہ شکریہ... آپ جاسکتے ہیں۔“ نوجوان نے کہا۔
”میرے کے قدموں کی آوازیں دور ہوتی گئیں۔“

”لڑکوں فریدی میاں۔“ معمر آدمی نے مسکرا کر کہا۔ ”اب بھلا تھہارا دل شکار میں کیوں لگنے لگا۔“
عورتیں بھی پڑیں۔ لیکن ان کی آوازوں میں خوف تھا۔
”نہیں ضروری نہیں کہ یہ کیس مجھے اپنی طرف متوجہ ہی کر لے۔“ فریدی بولا۔
کچھ دیر بعد وہ سب ایک ہی کمرے میں بیٹھے راستے کی چکن اتار رہے تھے۔
کمرے کے آتشدان میں کچھ کچھ آگ باتی تھی اور انہیں کوئی نہیں کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔

”میں کو کلکوں کے لئے کہتا آؤں۔“ نوجوان اٹھتا ہوا بولا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا کہ راہداری میں بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔
آنے والا ہی پولیس آفیسر تھا جس سے کچھ دیر قبل ان کی گفتگو ہوئی تھی۔
”میاں آپ حضرات اپنے نام اور پتے نوٹ کر دیں گے۔“ اُس نے اپنی نوٹ بک کے اور اُن اللئے ہوئے کہا۔
نوجوان کے ماتھے پر بل پڑ گئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں مسکرا کر کہا۔
”ضرور ضرور مجھے احمد کمال کہتے ہیں اور آپ نواب رشید الزماں صاحب ہیں۔“
اس کے بعد اس نے پتے بھی لکھا دیئے۔

”آپ کے کچھ اور بھی ساختی ہیں۔“ سب انپکٹر نے پوچھا۔
”جی ہاں.... چار.... وہ بھی آہی رہے ہوں گے۔ ان میں سے ایک صاحب ساجد حمید ہیں دوسرے قاسم رضا۔ تیسرے کریل شمشاد اور چوتھے.... زاہد کریم۔“
”آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔“ پولیس آفیسر نے نام اور پتے لکھ لینے کے بعد کہا۔ ”یہاں قیام کرنے والے تمام مسافروں کے نام اور پتے ہمیں نوٹ کرنے پڑیں گے اور پھر آپ کے ساتھ تو خواتین بھی ہیں.... لیکن انہیں یہاں اس موسم میں تکلیف ضرور ہو گی۔“
وہ چند لمحوں کے لئے رکا پھر اس کی طنز میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔ ”مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ہمارے ملک کی خواتین بھی سردیوں کے شکار میں دلچسپی لینے لگی ہیں اور یہ حقیقتاً ایک حرمت انگریز ہے۔“
قل اس کے کہ نواب رشید الزماں جھلا کر کچھ کہتے وہ کمرے سے جاچکا تھا۔

”عجیب بد تیر آدمی ہے۔“ نواب صاحب کی لڑکی غزالہ بولی۔
”ڈر گئے ہیں۔“ فریدی مسکرا پڑا۔

”یہ آپ نے اپنا پتہ اور پیشہ غلط کیوں لکھا ہے؟“ غزالہ نے اس سے کہا۔
”مصلحتاً... یہاں لوگوں سے ملنے ملانے میں شکار کامز اکر کر انہیں کرتا چاہتا۔“ فریدی بولا۔
اس نے یہ بات حقیقتاً بالکل ٹھیک کہی تھی۔ شکار کامزہ واقعی کر کر اہو جاتا، یہاں اس کے
بہتیرے جان پہچان والے تھے اور ان کے علاوہ نئے بھی پیدا ہو سکتے تھے۔ ملکہ سراج رسانی کا
پر نئندشت مجرم نصرت تو اسے کسی طرح ہوئی میں ٹھہر نے ہی نہ دیتا۔

”ہمیں خراسان کرنے کی سماں لاحاصل۔“ ایک عورت بڑہ اُنی اور فریدی بُر اسامنہ کر
دروازے کے باہر دیکھنے لگا۔ یہ عورت راستہ بھراں کے لئے باعث کوفت بنی رہی تھی اسے گھنگھے
کے دوران میں بڑے بڑے الفاظ بولنے کا خط تھا۔ یہ نواب صاحب کے دوست کر قل شمشاد کی
لوگی فرزانہ تھی۔

شکار کا پروگرام فریدی ہی نے بنایا تھا لیکن اُسے گمان بھی نہ تھا کہ کچھ عورتیں بھی گلے لگ
جائیں گی۔ سرجنت حید کے لئے تو دلچسپی کا بہترین سامان ہو گیا تھا لیکن فریدی مستقل طور پر
اکتاہٹ کا شکار تھا۔

”مجھے ڈائنگ ہال میں ٹھہرنا چاہئے۔“ فریدی نے نواب رشید الزماں سے کہا ”ورنه کہیں
حید صاحب اُس آفسر سے لٹکنے پڑیں۔“

حید کی پرانی دوست شہناز نے تاک سکوڑ کر غزالہ کی طرف دیکھا اور غزالہ مسکرا پڑی۔

”حید صاحب غیر شوری طور پر بذلہ سخ واقع ہوئے ہیں۔“ فرزانہ نے ہنس کر کہا۔

فریدی کے لئے کمرے میں ٹھہرنا دشوار ہو گیا۔ فریدی کو فرزانہ سے بچ ج مددی ہو گئی تھی کیونکہ عورتوں کو شکار کے لئے اسی نے اسالیا
تھا۔ اسی نے سب سے پہلے نواب رشید الزماں کی لڑکی غزالہ کو اس پر آمادہ کیا پھر زاہد کریم کی
بیوی صوفیہ بھی تیار ہو گئی۔ یہ ایک نو گرفتار جوڑا تھا۔... یعنی ان کی شادی حال ہی میں ہوئی تھی۔
زاہد کریم نواب رشید الزماں کے رشتہ داروں میں سے تھا۔

فریدی کمرے سے اٹھ کر ڈائنگ ہال میں چلا آیا۔ یہاں اب بھی خاصی بھیڑ اکٹھا ہو گئی تھی۔

13
کچھ اور آفسر بھی آگئے تھے۔ ان میں ملکہ سراج رسانی کا پر نئندشت مجرم نصرت بھی تھا۔ فریدی
نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ ورنہ وہ شاید اس طرح بے دھڑک ڈائنگ ہال میں داخل نہ ہوتا۔

”ہیلو!...“ مجرم نصرت متین انداز میں فریدی کی طرف مڑا۔ ”ارے آپ۔“
مصادفہ کرتے وقت فریدی اُسے ایک خالی گوشے کی طرف کھینچ لے گیا۔

”تو کیا ان نے آنے والوں میں سے آپ بھی ہیں۔“ مجرم نصرت نے پوچھا۔
”بھی ہاں۔“

”آپ نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔“ بوزھے مجرم نصرت نے مسکرا کر بزرگانہ انداز میں کہا۔
”میری موجودگی میں ہوئیں کا قیام... زیادتی ہے آپ کی۔“

”میں جانتا تھا کہ آپ کو شکایت ہو گئی لیکن میرے ساتھ اور بھی ہیں۔“
”ان کا بھی انتظام ہو سکتا تھا۔“

”درالص ہم شکار کی غرض سے آئے ہیں اور یہ ہوئیں اس کے لئے بہت مناسب ہے۔“
”ٹھیک ہے۔“ مجرم نصرت ہنس کر بولا۔ ”نہ یہاں آپ کے قدم آتے اور نہ یہاں ایک
دلچسپ وار دفاتر ہوتی۔“

”اوہ... تو کیا آپ کی نظروں میں ان نشانات کی کوئی اہمیت نہیں۔“ فریدی نے سنجیدگی
سے پوچھا۔

”آپ نے وہ نشانات دیکھے۔“

”نہیں! بھی تو نہیں۔“

”آئیے میرے ساتھ۔ یہ ٹیکم گڑھ ہے یہاں آئے دن اس طرح کے شعبدے نظر آتے
ہیں۔“ مجرم نصرت نے کہا۔

وہ دونوں باہر جانے لگے۔ وہ آفسر جس نے فریدی وغیرہ کے ہم اور پتے لکھے تھے انہیں
حریت سے دیکھ رہا تھا۔

”شعبدے اُمیں نہیں سمجھا۔“ فریدی بولا۔

”اوہ...!“ مجرم نصرت نے کہا۔ ”تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں کے
نشانات کی ذی روح کے ہیں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔۔۔ وہ دونوں اس کھڑکی کے نیچے آنے جہاں وہ عجیب و غریب نشانات
اب بھی موجود تھی۔ ان سے تھوڑے ہی فاصلے پر دو کاشیل ان کی خفافت کر رہے تھے۔

فریدی نے ان نشانات پر ایک اچھتی سی نظر ڈالی اور زمین سے بازہ فٹ اونچی کھڑکی کی طرف
دیکھنے لگا۔ اتنے میں کچھ اخبارات کے روپورٹر آگئے۔ انہوں نے برف پر پڑے ہوئے نشانات کے
فوٹو لینے چاہے لیکن کاشیلوں نے روک دیا۔

”میں بھی آپ کو سیکھنے کا مشورہ دوں گا۔“ مجھر نصرت فریدی سے کہہ رہا تھا۔ ”خواتین کا یہاں
ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔“

”کیا اس سے پہلے بھی کبھی یہاں اس قسم کا کوئی واقعہ ہوا ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔
”واقعہ! تو کوئی نہیں ہوا۔“ مجھر نصرت نے کہا۔ لیکن پچھلے پندرہ دنوں سے اس قسم کے

نشانات مختلف جگہوں پر دیکھے جا رہے ہیں۔“
”پندرہ دن سے۔“ فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی نظریں بڑی بے چینی سے گرد پیش کا
چاہرہ لے رہی تھیں۔

ٹھیک کھڑکی کے نیچے دو نشانات تھے۔ ان کے علاوہ اور کہیں اس قسم کا کوئی نشان موجود
نہیں تھا۔

”بڑی عجیب بات ہے۔“ فریدی آہستہ سے بڑا لیا۔ ”گویا وہ دیو آسمان سے پہنچا تھا۔“

”فریدی صاحب! میرا خیال ہے کہ جس وقت برف گر رہی تھی اُس وقت یہ واردات ہوئی
اور بقیہ نشانات پر ہو گئے اور وہ دونوں نشانات برف باری ختم ہو جانے کے بعد بیانے کے ہیں۔“

”ہو سکتا ہے.... مگر کیا! ان نشانات کے علاوہ صیغہ یہاں کچھ دوسرے ایسے نشانات بھی دیکھے
گئے تھے، جو ان کی طرح غیر معمولی نہ رہے ہوں۔“

”میں نہیں.... برف کی سطح بے داع تھی۔ کم از کم دو سو گز کے رتبے میں کوئی دوسرے نشان
نہیں تھا۔“

”تب تو پھر میرے خیال سے یہ بات بھی درست نہیں کہ برف باری کے بعد یہ نشان
بیانے لگے۔ ظاہر ہے کہ آنے والا اپنے ہی پیروں سے چل کر یہاں تک آیا ہو گا۔“

مجھر نصرت کچھ نہ بولا۔ اس کی نظریں کھڑکی پر جمی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر کے لئے سکوت

طاری ہو گیا۔ کھڑکی سے البتہ کچھ آوازیں آرہی تھیں۔ اندر شاکنہ محکمہ سراغ رسانی کے فٹوگرافر
نشانات کے فٹو لے رہے تھے۔

”اچھا اندر والے نشانات...!“ فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

”آئیے وہ بھی دکھاؤں۔“ مجھر نصرت نے کہا۔

”نہیں پھر دیکھ لوں گا۔“ فریدی نے کہا۔ اس کی نظریں اپنے لقیہ ساتھیوں پر جمی ہوئی تھیں۔
سر جنت حمید اور دوسرے لوگ بار بردار قلیوں کے ہمراہ ہوٹل کی طرف آرہے تھے۔
سر جنت حمید نے اپنے ہاتھ میں ایک سوٹ کیس لٹکار کھا تھا۔ وہ سب لمبی پوششیں اور بالدار
ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے۔

کرنل شمشاد اوزیر عمر اور گھٹیلے جنم کا آدمی تھا۔ اس کی فرج نجکے ڈاڑھی بھورے رنگ کی
تھی جس میں کہیں کہیں سفید یاں بھی نظر آرہے تھے۔ لیکن چہرے کی جلد پر بڑھاپے کے آثار
نہیں تھے۔ آنکھیں سخت گیر آدمیوں کی تھیں۔ خدا خال منیکھے تھے لیکن وہ اُسی وقت تک غصہ
ور معلوم ہوتا تھا جب تک خاموش رہتا تھا اور جب گفتگو کرتا تو کم از کم کسی نئے آدمی کو تو اپنے
قیاس پر سخت شرمندگی ہوتی تھی۔ شرمندگی کی بات بھی تھی کیونکہ کرنل کا الجہہ بیشہ محبت آمیز
ہوا کرتا تھا۔ آواز میں پلاکی نزدی تھی۔ بہر حال سو فیصدی لوگ اس کی شکل سے اس کے کردار کا
غلط ہی اندازہ لگاتے تھے۔

زادہ کریم چھر رے بدن کا نوجوان تھا۔ اس میں کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی جو اسے عام
آدمیوں سے مختلف ظاہر کرتی۔

البتہ تیرسا آدمی قاسم رضا اسما تھا جو اپنے ڈیل ڈول کے اعتبار سے پوری پارٹی میں نمایاں نظر
آرہا تھا۔ بس وہ ایسا ہی تھا کہ اس کے ملنے والے ابھی تک یہی فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ اُسے
ایک بیمار نما گند سمجھیں یا گند نما نیمار۔ سر جنت حمید نے اس کے متعلق صرف ایک جملہ اپنی
ڈاڑھی میں نوٹ کیا تھا۔ وہ یہ کہ قاسم شاید عوج بن عنق کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

بہر حال قاسم کی انہائی درجہ لمبائی اور چوڑائی دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کے بغیر نہیں
رہتی تھی۔ بقول حمید چونکہ اس کی کھوپڑی سطح سمندر سے بہت اوپنی تھی اس لئے وہاں سال بھر
برف جمی رہتی تھی۔

فریدی اپنے ان چاروں ساتھیوں کو نشیب سے چڑھائی کی طرف آتے دیکھا رہا۔ میجر نصرت کو کوئی خاص بات یاد آگئی تھی۔ اس لئے وہ اپنے ہاتھوں کورڈ شنی بخشے کے لئے اندر چلا گیا تھا۔ فریدی کے ساتھی سڑک چھوڑ کر اُسی نیکرے پر چڑھ آئے جس سے ہوٹل کو راستہ جاتا تھا۔ حمید سب سے آگے تھا اور اس طرح جھوم جھوم کر چل رہا تھا جیسے بہت زیادہ تحکم گیا ہو۔ فریدی کھڑکی کے پاس سے ہٹ گیا۔ ہوٹل کے سامنے اب بھی بھیڑ تھی اور پولیس والوں کی خاکی ٹوبیاں دور سے بھی پہچانی جاسکتی تھیں۔ دفعتاً سر جنت حمید پلتے چلتے رک گیا۔ اُس کے ساتھ والے اُس سے دوچار قدم آگے بڑھ گئے۔ لیکن پھر انہیں بھی رک کر حمید کی طرف پلٹنا پڑا۔ فریدی ان کے قریب پہنچ چکا تھا۔ ”کیا بات ہے۔“ فریدی نے حمید سے پوچھا۔ ”کیا یہ سب ہمارے استقبال کیلئے تشریف لائے ہیں۔“ حمید نے مجھ کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”نہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ایک ولچپ کیس۔“ ”کیس...!“ حمید کے ہاتھ سے سوت کیس چھوٹ پڑا۔ ”تو یہ نامراہ ہم سے پہلے ہی پہنچ گیا۔“ ”یہ کیا یہودگی۔“ فریدی نے جھک کر سوت کیس اٹھاتے ہوئے کہا۔ لیکن حمید چپ چاپ کھڑا رہا۔ اُس کی پہنچی پھٹی سی دیران آنکھیں خلاء میں کسی نامعلوم نقطے پر جھی ہوئی تھیں۔ لیکن وہ بھد سے برف پر پیٹھے گیا۔ ”حید...!“ فریدی نے جھنجلا کر اُسے مخاطب کیا۔

لیکن حمید دوسرے لمحے میں چت ہو چکا تھا۔ کرٹل شمشاد وغیرہ بوکھلا کر اُس کی طرف دوڑے... بار بدار قلیوں نے بھی شاید سامان رکھنا ہی چاہا تھا کہ فریدی نے انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اس وقت اُسے سچھ حمید کی اس حرکت پر غصہ آگیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سور نہ موقع دیکھتا ہے اور نہ محل بس اپنی حرکتوں سے سروکار۔

قلی سامان اٹھائے ہوئے اس کے ساتھ کروں تک آئے اور وہ سامان رکھوا ہی رہا تھا کہ قاسم حمید کو اپنے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے کرے میں داخل ہوا۔ حمید شاید اب تک بیویوں تھا۔ قاسم کے پیچے پر ایک غم آلود سی سنجیدگی طاری تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے ہاتھوں پر کوئی لاش اٹھائے ہوئے ہو۔

برف کے بھوٹ

نواب رشید الزماں وغیرہ بوکھلا کر آگے بڑھے لیکن فریدی نے پلٹ کر دیکھا بھی نہیں۔ پھر قاسم اُسے مسہری پر لٹانے ہی جا رہا تھا کہ حمید اس کے ہاتھوں سے پھسل گیا۔ ”شکریہ۔“ اُس نے آہتہ سے کہا اور ایک خالی کرسی پر بیٹھ کر بڑے بے تلقانہ انداز میں کرے کا جائزہ لینے لگا۔ قاسم نے احمقوں کی طرح منہ بنا کر ایک جھینپا جھینپا سا قہقہہ لگایا اور پھر اس طرح سجدہ ہو گیا جیسے ان کے کان یا ناک سے چوہا نکل پڑا ہو۔

تین شکاری

سب لوگ بے ساختہ نہیں پڑے لیکن بات کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ کرٹل شمشاد اور زاہد کریم شاید نیچے رو گئے تھے۔ ”حید صاحب! کوئی نیا شکوون۔“ فزانہ کی شخصی ہوئی آواز سنائی دی۔ حمید نے فرائی اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی کتاب نکالی اور اس کے ورق القاترہ پر اسے دوبارہ جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ ”برف میں نخفے نخفے پودے سڑ جاتے ہیں لہذا آج کل نہ شکونے ہوتے ہیں اور نہ پھول۔“

قاسم نے ایک بے ہنگام سا قہقہہ لگایا۔ اتنے میں میجر نصرت کمرے کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ حمید کی کرسی دروازے کے سامنے ہی تھی۔

”اوہ... آپ.... کیا بات تھی۔“ میجر نصرت نے پوچھا۔ ”اُرے میجر صاحب۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ”آئیے... آئیے۔“ ”آپ کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔“ میجر نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کھل پھر اجنبیوں کو دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ فریدی سکراتا ہوا اُس کی طرف مڑا۔ ”آئیے میں آپ کا تعارف اپنے ایک بزرگ سے کراؤں۔“ اُس نے نواب رشید الزماں کی

طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اوہ.... ضرور.... ضرور۔"

خوڑی دیر بعد پھر اس کی گفتگو چھڑ گئی اور جب حمید کو واردات کے متعلق معلوم ہوا تو اس نے الاؤں کی طرح اپنے دیپے پھر انے شروع کر دیئے۔ پھر اس نے قاسم کو اشارہ کیا اور وہ دونوں اٹھ کر کرے کے باہر چلے آئے۔

"ساتھ نے" حمید نے قاسم سے کہا۔ "ویرہ فٹ لے نشانات۔ تمہارے پر کاسائز کیا ہو گا۔"

"حید بھائی.... میں اس وقت معموم ہوں۔" قاسم گوگیر آواز میں بولا۔

"ہائی۔" حمید اچھل کر بولا۔ "انتے لے چوڑے ہو کر بھی معموم ہو۔"

"حید بھائی میری زندگی میں ایک بہت بڑی تربیت ہو گئی ہے۔"

"مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ لیکن تم اتنی بلندی پر واقع ہوئے ہو کہ میں تمہیں دلاسرہ ذینے سے محدود ہوں۔"

یہ حقیقت تھی حمید اس کے شانوں سے بھی بچا تھا۔

"حید بھائی! میں حق معموم ہوں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ زاہد کریم کی بیوی اس کے ساتھ آئی ہے۔"

"ہاں.... آں لیکن تمہیں کوئی پریشانی ہے۔"

"بہت بڑی تربیت ہے۔" قاسم بور کر بولا۔

"مت بور کر دیار مرے۔" حمید اکتا کر بولا۔ "چلو ہم بھی ان نشانات کی زیارت کر آئیں۔"

دونوں ڈائینگ ہال سے گزر کر باہر جانے لگے۔

"حید بھائی۔ یہاں سے میری واپسی محل ہے۔ میں یہیں مر جاؤں گا۔ برف میں دفن ہو جاؤں گا اور جب برف پھکلے گی تو حید بھائی... میری لاش...." قاسم کی آواز پھر آگئی۔

حمد نے سر اٹھا کر دیکھا۔ قاسم رومال سے اپنی آنکھیں خلک کر رہا تھا۔

"حید بھائی! مجھے ادمت سمجھئے۔ میری زندگی بڑی دکھ بھری ہے۔" قاسم نے کہا۔

"عشق ہو گیا ہے کسی سے۔" حمید نے پوچھا۔

"آجھی تو نہیں ہو۔" قاسم نے حماقت آیز سنجیدگی سے کہا۔

حید نے ایک بار پھر اسے گھور کر دیکھا۔

پولیس والے شائد اپنا کام ختم کر چکے تھے کوئکہ ان نشانات کے گرداب کافی بھیز نظر آرہی تھی۔ جیسے ہی قاسم اور حید وہاں پہنچے لوگوں کی دلچسپی ان نشانات سے ختم ہو گئی۔ وہ سب قاسم کو تحریر آیز نظروں سے دیکھنے لگے تھے اور ان میں سے بھیزروں کی نظریں اُنکے پیروں پر بھی تھیں۔ "ارے حق حید بھائی۔" قاسم بڑو بڑا۔ "انتے بڑے بیڑا!.... آف فوہ۔"

ان نشانات کے متعلق یہ قاسم کا پہلا اور آخری جملہ تھا۔ اس کے بعد اس نے پھر اپنے غنوں کا تذکرہ شروع کر دیا۔ حید بہت شدت سے یور ہو رہا تھا۔ نشانات کو دیکھتے ہی اس نے اندرازہ لگایا تھا کہ فریدی کے دل پر اس وقت کیا گزر رہی ہو گئی۔ حید کو اب شکار کی تفریغ کی سلامتی خطرے میں نظر آرہی تھی اور وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کہیں عورتوں کو کسی دوسرا ہجہ مختلق نہ کر دیا جائے۔

"حید بھائی.... میں مر جاؤں گا۔" قاسم نے پھر ہاتک لگائی۔

"یہاں نہیں۔" حید بھنا کر بولا۔ "آؤ میرے ساتھ۔"

وہ اُسے ڈائینگ ہال میں لایا۔

"بیٹھو۔" اگر تم نے مجھے اپنی دکھ بھری داستان نہ سنائی تو میں تمہیں کوئی بار دوں گا۔"

اس جملے پر قاسم نے ایسا منہ بنا لیا جیسے بُر امان گیا ہو۔

"میں واپسی براید نصیب ہوں۔" اس نے مخفی سافس بھر کر کہا۔

"شروع ہو جاؤ۔" اب کسی تمہید کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی اور ہاں سنو مظفر نگاری کی ضرورت نہیں۔"

"مظفر نگاری۔" قاسم نے حیرت سے کہا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ جب دو دل آپس میں ملتے ہیں تو قریب ہی کہیں نہ کہیں کوئی چھوٹی سی ندی ضرور ہوتی ہے یا تو سورج غروب ہوتا رہتا ہے یا غروب ہی نہیں ہوتا یعنی رات ہوتی ہے اور ستارے مسکرا ٹھیٹے ہیں۔ کہکشاں رہمیاں روکس روٹ شروع کر دیتی ہے۔"

"واہ.... حید بھائی۔" قاسم پہنچنے لگا۔

حید اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا رہا اور وہ خود کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ خوڑی دیر

اٹھے گی۔

”ہائے اپنا کوئی نہیں۔“ قاسم نے گلوگیر آواز میں کہا اور اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔
حیدر اسے قبر آلود نظر دوں سے گھورنے لگا۔ قاسم اُس کی دلچسپیوں کا بہترین سامان تھا لیکن بعض اوقات وہ بڑی شدت سے بور کرنے لگتا تھا۔ دونوں کی دوستی زیادہ پرانی نہیں تھی مگر قاسم تھوڑے ہی غرض سے میں حیدر کا گروہ دیکھا تھا۔

”حیدر بھائی میں رونا چاہتا ہوں۔“ قاسم تھوڑی دیر بعد بولا۔

”کیوں بابا! کیوں مکو بھی۔“ حیدر نے دانت پیس کر کہا۔

”حیدر بھائی! میں نہیں جانتا کہ میاں یوی کی محبت کس چیزیا کا نام ہے۔“

”ہو سکتا ہے۔“ حیدر نے لاپرواں سے کہا اور پاپے میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر فریدی اسی ہوٹل میں قیام پر مصروف ہا تو بڑی دشواریوں کا سامنا کرتا پڑے گا۔ ظاہر تھا کہ لڑکوں کی موجودگی کے بغیر سروس ناممکن تھی اور پھر اگر کسی ہوٹل میں قیام کرنے کے بعد ذاتی کام بھی خود ہی انجام دینے پڑے تو گھر کی یادوں سے کس طرح نکل سکے گی۔ تفریخ دراصل ماحول سے فرار کا نام ہے اگر تفریخ کے دوران میں پچھلے ماحول کی یاد دل میں کچوکے لگاتی رہے تو پھر وہ تفریخ ہی کہاں رہے گئی۔

حیدر پاپ سلاکا کر کر کی پشت سے لک گیا۔

”حیدر بھائی۔“ قاسم نے پھر کچھ کہتا چاہا۔

”تمہیں گانا آتا ہے۔“ حیدر نے پوچھا۔

”کیوں.... ہاہاہا۔“ وہ احمقوں کی طرح ہنسنے لگا۔ قاسم کی بھی کا انداز عجیب تھا۔ بس وہ ہنستا تھا بات بات پر نہس دیتا تھا۔ مگر اس کا چہرہ ہر قسم کے اثرات سے عاری ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس بھی کا اُس کے دل سے ذرہ برابر بھی تعلق نہ ہو۔

”انھوں ہیاں سے۔“ حیدر اٹھتا ہوا بولا۔

قاسم اٹھے ہی رہا تھا کہ فریدی اور یحیی نصرت بھی وہیں آگئے۔ دونوں میں اسی کیس کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ وہ بھی اُسی میز پر آگئے اور حیدر نے جانے کیوں کھسک جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

ٹک خاموشی رہی پھر قاسِم بولا۔ ”اچھا حیدر بھائی... بھلامیری کیا عمر ہو گی۔“

”سائز ہے دس سال۔“

”نہیں آپ کو میری جان کی قسم۔“

”اوپا! میں کیا تاؤں ڈیل ڈول سے چار ہزار برس قبل کے معلوم ہوتے ہو۔“

”حیدر بھائی میں صرف اٹھائیں سال کا ہوں۔“

”چلومن لیا... پھر!“

”اچھا میری بیوی کی کیا عمر ہو گی۔“

”کیا! اسے تمہاری بیوی کی عمر۔“ حیدر نے حیرت سے کہا۔

”ہاں... ہاں بیوی کی۔“

”تم واپسی چند ہو کیا۔ میں کیا جاؤں۔“

”پھر بھی انداز۔“ قاسم نے اتنی سمجھی گئی سے کہا جیسے حیدر اس کی بیوی کو بھی دیکھ چکا ہو۔

”کیا میں نے تمہاری بیوی کو دیکھا ہے۔“ حیدر جلا کر بولا۔

”اوہ... حیدر بھائی.... وہ صرف چودہ برس کی ہے۔ میرے باپ نے زبردستی مجھے قتل کر دیا۔“

”فکر مت کرو۔ میں قاتل کا سراغ لگاؤں گا۔“ حیدر اتنا کر بولا۔

”حیدر بھائی جب میں کسی عورت اور مرد کو نہیں کرتا تھا توں کرتا کہتا ہوں تو دل چاہتا ہے کہ دھاڑیں مار مار کر روؤں۔“

”کیوں....!“ حیدر نے مخفیگانہ انداز میں پوچھا۔

”حیدر بھائی میری زندگی کی سب سے بڑی ٹریبیڈی۔“

”پہلے ایک بات کا فیصلہ کر لو کہ تم یہی جملہ کتنی بار دہراوے گے۔“

”میرا دنیا میں کوئی ہمدرد نہیں۔“ قاسم بچھ بچھ بورنے لگا۔

”مت بور کرو۔“

”میں خود کشی کر لوں گا۔“

”گھر پہنچ کر۔“ حیدر اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ ”ورنہ تمہاری نومن کی لاش ہم سے تو نہ۔“

پھاڑیوں کو دیکھنے کا ہے کہ رہا ہو غیر اگرائی پر تمہارا صفائیا ہو جائے گا۔

”آپ نے عورتوں کے لئے کیا سوچا۔“ میجر نصرت نے پوچھا۔

”کچھ نہیں.... وہ ساتھ ہی قیام کرنے پر مصروف ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”میں تو اسے مناسب نہیں سمجھتا ہو یہ آپ لوگوں کو اختیار ہے۔“

”محظی افسوس ہے کہ انہیں سے کوئی عورت ایسی نہیں ہے جس پر میں کسی قسم کا دباؤ ڈال سکوں۔“

”خوب یاد آیا۔“ میجر نصرت نے مسکرا کر کہا۔ ”آخر اب آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے۔“

”شادی۔“ سرجنت حمید نے دھنپاٹ پوچھ کر کہا۔ پھر میجر نصرت کو ایسی نظروں سے دیکھنے کا

جیسے اس نے فریدی کو گلے میں ایک عدد نائم پیش لٹکائے رکھنے کا مشورہ دیا ہو۔

فریدی بہنے لگا۔ پھر اس نے میجر نصرت سے کہا۔

”بھی میجر صاحب! شادی دراصل والدین کے شوق کی چیز ہے اور میں اتفاقاً والدین سے

محروم ہو چکا ہوں۔“

”ہو.... او۔“ حمید آہستہ سے بڑی بڑی۔ ”یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ میں آپ کے لئے والدین کا

پورا سیکت مہیا کر سکتا ہوں۔“

”تھی....!“ میجر نصرت نے حمید کی طرف مڑ کر پوچھا۔

”تھی ہاں فریدی صاحب! تھیک کہہ رہے ہیں اگر والدین نہ ہوئے تو یوں خود ہی والدین بن

یٹھھتی ہے۔“

میجر نصرت نہیں پڑا۔ قاسم خاموش بیٹھا ہا اور جب بات اس کی سمجھ میں بھی آئی تو اس نے

ایک اتنا زور دار قہقہہ لگایا کہ دیواریں لکھ جنمباٹھیں۔

میجر نصرت حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ شانک قاسم نے بھی موقع کی محکمہ خیر

صورت حال کا اندازہ لکایا تھا۔ اس نے اچانک اپنا قہقہہ روک دیا اور بالکل ایسا ہی معلوم

ہوا جیسے کسی تیز رفتار موڑ کے چاروں پہیوں میں پورے بریک لگ گئے ہوں۔

” غالباً یہاں کی انکوائری ختم ہو گئی۔“ فریدی نے کہا۔

”ہاں... ارے.... مجھ سے سنئے۔ یہ اسی میجر کی حرکت ہے۔“ میجر نصرت آہستہ سے بولا۔

”میجر کی۔“

”مگر وہ کھڑکی۔“ فریدی کہہ رہا تھا۔ ”ظاہر ہے کہ وہ اُسے اندر سے بند کر کے سوئی ہو گی۔“

”بھی وہ بھوت تھا۔“ میجر نصرت مسکرا کر بولا۔ ”پولیس نے اسے باور کر لیا ہے وہ غیر معمولی نشانات عرصہ سے یہاں شہرت پا رہے ہیں۔“

فریدی سگار سکانے لگا۔

”لیکن غیمت بھی ہے کہ وہ بھوت ابھی سعک کی کو نظر نہیں آیا ورنہ شیکھ گذھ بڑی دلچسپ گکھ ہے۔“ میجر نصرت پھر بولا۔

”پولیس والوں کا برتاؤ یہاں کے میجر کے ساتھ اچھا نہیں ہے۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”یہاں اس کے متعلق کوئی بھی اچھی رائے نہیں رکھتا۔“ میجر نصرت بولا۔

”کیوں؟“

”بھی بات یہ ہے کہ ابھی ہمارے یہاں ہر معاملے میں مشرقت اور قوارے ہے لہذا اسی اسی جگہ میجر قسم کے آدمی کے لئے لوگ نہ رے عی خیالات رکھیں گے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”فراوو کے علاوہ اور کسی ہوٹ میں لا کیاں نہیں ہیں۔“

”اوہ....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”لیکن وہ نہ آدمی تو نہیں معلوم ہوتا۔“

”ہاں.... آں.... اس کے چہرے پر بڑھاپے میں بھی برا بھولا پن موجود ہے لیکن میں اپنے تھیپن سالہ تجربات کی بناء پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ بعض حالات میں چہرہ دل کی غمازی نہیں کرتا۔“

”حوزی دیر کے لئے پھر خاموشی چھا گئی۔“ حمید پاپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ قاسم اس طرح پیلو بدل رہا تھا جیسے وہ زبرد سی تھا۔ یہاں بھیلایا گیا ہو اور اخلاقاً خود پر جبر کر رہا ہو۔

”بہر حال۔“ فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ”آپ اس دانتے کو کوئی غیر معمولی حادثہ بھئے کے لئے تیار نہیں۔“

”قطعی۔“ میجر نصرت نے کہا۔ ”میں بھو توں اور شیطانوں پر یقین نہیں رکھتا۔“

”یہ اچھی بات ہے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا اور بچا ہوا سگار سکانے لگا۔

قاسم نے بھاڑ سامنہ پھاڑ کر انگرائی اور اس طرح ہونٹ سکوڑ کر کھڑکی سے نظر آنے والی

”جناب اشاند وہ را پر نہیں آئی تھی۔“

”ہوں۔“ فریدی نے دوسرا سگار سلاکیا۔

حمدید نے قاسم کو آنکھ ماری اور وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”بڑی حکمن ہے۔“ حمید بھی انگڑائی لیتا ہوا اٹھ گیا۔

پھر وہ دونوں اپنے کروں کی طرف جا رہے تھے۔ راہداری میں انہیں تین آدمی ملے جو انہیں

کی طرح پوتیں اور بالدار ٹوبیاں پہنے ہوئے تھے اور ان کے کانڈوں پر رانقلیں لکھی ہوئی تھیں۔ وہ تینوں انہیں دیکھ کر حمارت آمیز انداز میں مسکرائے۔

”کیا آپ لوگ بھی شکاری ہیں۔“ ان میں سے ایک نے انہیں مخاطب کیا۔

یہ بھاری چیرے اور موٹی گردن والا ایک قد آور آدمی تھا۔ لمبائی میں قاسم سے تھوڑا ہی کم رہا ہو گا۔ لیکن ٹھوڑی اور جڑوں کی بناوٹ کہہ رہی تھی کہ وہ قاسم کی طرح یوں قوف نہیں ہے۔ آنکھوں سے سخت گیری، کینگنی اور کمینہ توڑی متربع تھی۔

”شکاری ہیں! لیکن پیشہ در نہیں۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

”ہم پہلے ہی سمجھ گئے تھے۔ پیشہ دروں کے ساتھ عورتیں نہیں ہو اکر تیں۔“ بھاری چیرے والا ہلکے سے قیقبہ کے ساتھ بولا۔

”جی....!“ حمید اپنا اوپری ہونٹ بھیچ کر آگے بڑھ گیا۔

وہ تینوں بے ڈھنگے پن سے ہنسنے ہوئے ڈائینگ ہال کی طرف چلے گئے۔

”ماروں سالوں کو۔“ قاسم پوتیں کی آستین چڑھانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

حمدید نے اسے گھوڑ کر دیکھا اور وہ چپ چاپ اس کے پیچے چلنے لگا۔

حمدید جانتا تھا کہ قاسم لڑنے پڑنے میں سب سے آگے ہی رہتا ہے۔ وہ اپنے ڈیل ڈول کی مناسبت سے اتنا ہی طاقت ور بھی تھا اور یہ بات مخفی سنی سنائی نہیں تھی۔ خود حمید کو بھی ایک بار اس کا تجربہ ہو چکا تھا۔ قاسم نے اس کی موجودگی میں ایک آدمی کو اس کی موڑ سائکل سمیت

سرڑک کے دامنے کنارے سے اٹھا کر باسیں کنارے پر رکھ دیا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک بار حمید اور قاسم کسی سڑک سے پیدل گزر رہے تھے۔ اچانک سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے ایک

موڑ سائکل سوار نے سوہا قاسم کی پینٹ پر تھوک دیا۔ قاسم کو بڑا تاؤ آیا۔ بات زیادہ بڑھی تو موڑ

سا نیکل والا شاند قاسم کو گالی دے بیٹھا۔ قاسم جواب میں گالی تو نہ دے سکا لیکن احتجاجاً اُس نے اُسے موڑ سائکل سمیت اٹھا کر دوسرے کنارے پر رکھ دیا۔

پتے نہیں کیوں وہ حمید کا اتنا گرویدہ ہو گیا تھا۔ حالانکہ اُسے غصہ بڑی جلدی آ جاتا تھا لیکن وہ حمید کی تنخ سے تنخ بات کا بھی بُرا نہیں مانتا تھا۔ ویسے وہ اگر حمید پر اپنی ایک ناگ بھی رکھ دیتا تو اُس کی پڑیاں پسلیاں برابر ہو جاتیں۔

وہ دونوں اُسی کمرے میں آئے جہاں سے اٹھ کر گئے تھے۔ اب وہاں کرنل شمشاد اور زاہد کریم کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

”کہنے چاہیے حمید صاحب کیا بات تھی۔“ کرنل شمشاد نے پوچھا۔

”پچھے نہیں اوسی جیروں کے عجیب و غریب نشانات کا چچہ چل رہا ہے۔“

”میں آپ کی بیہو شی کے متعلق پوچھ رہا تھا۔“

”اوہ..... وہ۔“ قاسم ہنسنے لگا۔

”پچھے نہیں کیوں چکر سا آگیا تھا۔“ حمید جلدی سے بول پڑا غزالہ صوفیہ اور شہناز مسکراتی تھیں۔

”عالم گرنسگی میں عموماً یہی ہوتا ہے۔“ فرزانہ بولی۔

”جی ہاں! جی ہاں۔“ قاسم احتفاظہ انداز میں سر ہلانے لگا۔

”حیوانات، بناات، حتیٰ کہ جہادات پر بھی گرسنگی کا رد عمل ہوتا ہے۔“ فرزانہ پھر بولی۔

”میرے خیال سے یہ ایک عقدہ لائی خل ہے۔“ قاسم نے بڑی سمجھی گی سے کہا۔

”ہائی۔“ حمید اسے گھوڑ کر بولا۔ ”یہ عقدہ لائی خل کیا بلاء ہے۔“

”میں بھی شاندیدہ لفظ پہلی بار سن رہی ہوں۔“ فرزانہ نے کہا۔

”اوہ! آپ لوگ لائی خل نہیں جانتے۔۔۔ قچ۔۔۔ قچ۔۔۔ مجھے افسوس ہے۔“ قاسم نے اپنے بڑے بڑے دانتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

”یہ شاید آپ نے لا ٹیکل کی مٹی پلید کی ہے۔“ نواب صاحب ہنس کر بولی۔

”نہیں صاحب اسی خل میں جاں بیسیں ہوں۔“ قاسم نے بُرا مان کر کہا۔

”لا ٹیکل۔“ حمید نے بھنا کر کہا۔ ”لا۔۔۔ یہ۔۔۔ حل۔۔۔“

”تو پھر ہو گا۔“ قاسم نے اتنی مخصوصیت سے کہا کہ سب بے ساختہ ہنس پڑے۔

”میں نے ساہے کہ دیے ہی نشانات مختلف جگہوں پر کئی دنوں سے دیکھے جا رہے ہیں۔“
کرتل مشاد نے کہا۔

”حیرت انگیز بات ہے۔“ نواب صاحب بولے۔

”یقیناً اس پر اسرار ہستی کا قد کم از کم پندرہ فٹ ضرور ہو گا۔“ حمید بولا۔

”اور سننے۔“ حمید نے نواب صاحب کو مخاطب کیا۔ ”میں خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وہ نشانات میرے ہی پیر ڈال کے ہیں۔“

”بھی میری تجویز تو یہی ہے کہ لڑکیاں بیہاں نہ ٹھہریں۔“ نواب صاحب نے کہا۔

”واہ چاچا جان۔“ فرزانہ بولی۔ ”آخرا ہم میں بھی تخدیج اعتمادی ہوئی چاہئے۔“

”بھی تم کرتل کی بیٹی ہو۔“ نواب صاحب بس کر رہے گئے۔

”بیہاں ٹھہر نے میں کیا حرج ہے اباجانی۔“ غزالہ بولی۔ ”ہم کہیں رہیں اور آپ کہیں۔“

حمد کچھ بولنے تھی والا تھا کہ ہوٹل کا مخبر خود ہی اپنے ہاتھوں پر ایک بڑا سائزے الٹائے ہوئے کر رے میں داخل ہوا۔

”محچے سخت افسوس ہے۔“ اُس نے ناشتے کا ٹھیک نہیں پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”جو کچھ بھی مجھ سے بن پڑا ہے، حاضر گر رہا ہوں۔“

”اوہو! آپ نے ناقن تکلف کی۔“ نواب صاحب نے کہا۔ ”ہم نے تو کہا تھا کہ یہ سب کچھ خود ہی کر لیں گے۔“

”ایک صاحب ڈائینگ ہال میں ہیں انہیں بھیج دیجئے گا۔“ حمید نے اُس سے کہا۔

”لب اتنا ہی سانا شاستہ۔“ قاسم نے بڑی ادا سی سے کہا۔

”تمہارے لئے اوٹ مسلم آئے گا۔“ حمید بولا۔

”قاسم صاحب آپ ہلکی نذر اکیں استعمال کیا سمجھے گا۔“ فرزانہ نے کہا۔

”بیسے ریشم، روپی اور ٹرینک پیپر وغیرہ۔“ حمید بولا۔

”حید بھائی مجھے بھوک پر غصہ آ جاتا ہے۔“ قاسم نے نہ رہاں کر کہا۔

شانک فرزانہ کچھ کہنے والی تھی کہ فریدی آگیا۔ انہوں نے اپنی کریں ایک میز کے قریب کھڑکا لیں۔ غزالہ چائے بنانے لگی۔

ناشتے کے دوران میں پھر اُس کیس کے متعلق گفتگو چھڑ گئی۔

”ان لوگوں نے کمرے کی چھت کی طرف دھیان نہیں دیا۔“ فریدی بولا۔

”کیوں چھت سے کیا مطلب۔“ حمید نے کہا۔

”اگر چھت سے کوئی مطلب نہیں تو پھر ہمیں یہ بات باور ہی کر لئی پڑے گی کہ وہ کسی مافوق النظرت ہستی کے پروڈل کے نشانات ہیں۔“

”آخر بادر کر لینے میں کیا حرج ہے۔“ غزالہ نے کہا۔

”اوہ! تو آپ بھی اس پر یقین رکھتی ہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میا آپ کو اپنی حوالی سے کہے اسرار و اوقاٹیاں یاد نہیں۔“

غزالہ کچھ نہ بولی۔

”ویسے میں نے اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی کہ انہیں اس کی طرف توجہ دلاتا۔“ فریدی نے کہا۔

ناشتہ ختم کرچکنے کے بعد فریدی را گلوں کا جائزہ لینے لگا اور حمید کی جان میں جان آئی۔ اگر وہ را گلوں میں دلچسپی لینے کے بعد ہوٹل کی چھت پر چڑھ دوڑنے کا رادہ ظاہر کرتا تو حمید کی تفریغ کی عائیت خطرے میں نظر آنے لگتی۔

اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ فضاد میں لاگئی تھی اور برف گرنے کے آثار نظر آرہے تھے۔

ایک فائر

انہوں نے دن بھر آرام کیا۔ شکار کا پروگرام دوسرے دن سے تھا۔

فریدی بہت شدت سے بور نظر آ رہا تھا۔ عورتوں کی موجودگی اُسے بُری طرح کھل رہی تھی۔

صحیح سے کئی آدمی عورتوں کی موسم سرما کے شکار میں شرکت پر تھیک آمیز باشیں کہہ چکے تھے۔

قاسم، حمید اور فریدی ایک ہی کمرے میں تھے۔ زاہد کریم اور اس کی بیوی صوفیہ کے لئے ایک کرہ مخصوص کر دیا گیا تھا۔ شہناز اور غزالہ نواب صاحب کے ساتھ تھیں۔ کرتل مشاد اور

اس کی لڑکی فرزانہ چوتے کمرے میں بند تھے۔

شام کو فریدی اٹھ کر نواب صاحب کے کمرے میں چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی قاسم نے

پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

”ہائیں! ہائیں۔“ حمید یو کھلا کر اٹھ بیٹھا۔

قاسم پلچک پر اونڈھا پڑا پھول پچک رہا تھا۔

”ارے کیا ہوا تمہیں... ڈاگر کہیں کے۔“

”حید... بھائی... بس رو لینے دیجئے۔“

”شرم نہیں آتی تمہیں... اتنا بڑا ذیل ڈول....!“

”ذیل ڈول کی ایسی تیسی۔“ قاسم جھنجھلا کر بیٹھ گیا۔ ”لعت ہے اس ذیل ڈول پر۔“

”آخر غصے کی وجہ پیارے۔“ حمید نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ہوئے کہا۔

”غصے کی وجہ۔“ قاسم رومال سے آنسو پوچھتا ہوا بولا۔ ”میری شادی کو چھ ماہ گزرے لیکن

میں اب بھی کنوار ہوں۔“

”کیا مطلب۔“ حمید آنکھیں کھول کر بولا۔

”سالی مجھے دیکھ کر غل غماڑہ چاٹی ہے۔ چیخ کر بے ہوش ہو جاتی ہے۔“

”واقعی۔“

”حید بھائی میں جھوٹ نہیں بولتا۔“ قاسم کی آواز پھر گلوگیر ہو گئی۔ ”میں اسی غم میں گھل

رہا ہوں۔“

”مجھے افسوس ہے پیارے قاسم۔“

”میری شادی میرے باپ نے زبردستی کر دی۔ وہ سرمایہ دار ضرور ہیں۔“ مگر بنیا تاپ کے

علم کے روشنی سے محروم! وہ صرف دولت سینئانا جانتے ہیں آدمی کی ان کی نظرؤں میں کوئی وقعت

نہیں۔“

حمد خاموشی سے ستارہ پھر ابھائی سنجیدگی سے بولا۔

”حیدہ بانو سے کشتی لڑو گے۔“

”میں نے سوچا تھا۔“ قاسم نے اتنی ہی سنجیدگی سے جواب دیا۔ ”لیکن والد صاحب....“

”تم نے سوچا تھا۔“ حمید تھیر آمیز انداز میں چیخا۔

”ہاں۔“ قاسم سر ہلا کر بولا۔ ”وہ یہی تو کہتی ہے تاکہ جو مجھے زیر کر لے گا اُسی سے شادی کرلوں گے۔“

حمید سنجیدگی سے کچھ سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ ”کرنل صاحب کی لڑکی سے عشق کرو گے۔“

”کیا...؟“ قاسم نے آگے جھک کر سر گوشی کی۔

”فرزانہ سے عشق۔“

قاسم تھوک نگل کر منہ چلانے لگا۔

”کرنل صاحب تمہیں بہت پسند کرتے ہیں۔“ حمید نے سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

”کئی بار کہہ چکے ہیں کہ یہ جوان تو جزل بننے کے لائق ہے۔“

”اچھا...!“ قاسم احتفانہ انداز میں آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

”ہاں اور لڑکی بھی کافی تدرست ہے۔“

”ہے تو!... مگر... عشق...!“

”کیوں؟ کیا بات ہے؟“

”عشق کیے کروں گا مجھے آتا ہی نہیں۔ میں نے کبھی نہیں کیا۔“

”بکھی میں جوتے گئے ہو بکھی۔“ حمید جھنجھلا کر بولا۔

قاسم ہس پڑا۔

دروازے پر قدموں کی آواز سنائی دی اور قاسم یو کھلا گیا کیونکہ آنے والی فرزانہ ہی تھی۔

اس کے ساتھ شہناز بھی تھی۔

”کیوں حمید صاحب! کیا آپ بھی مریضانہ ذہنیت کے حامل ہو گئے۔“ فرزانہ نے کہا۔

”نہیں تو... ذرا قاسم کو ایک صحت مند مشورہ دے رہا تھا۔“

قاسم نے یو کھلا کر کچھ کہنا چاہا اور اس کے منہ سے میک وقت کی طرح کی آوازیں نکل کر رہے

گئیں۔ فرزانہ اور شہناز ہنسنے لگیں۔

”میں بھی تو ستوں کے کیا مشورہ تھا۔“ فرزانہ نے کہا۔

ٹوپی کے اوپری حصے میں ایک بڑا ساراخ تھا اور اس کی نوعیت کہہ رہی تھی کہ وہ کسی رانفل کی گولی کا نتیجہ ہے۔
”یہ کیا ہو۔“

”سوراخ...!“ فریدی نے سمجھی گی سے کہا۔ ”میا تم نہیں جانتے کہ سوراخ کے کہتے ہیں۔“
”لیکن یہ ہوا کیسے۔“

”اس طرح ہوا کہ اگر کچھ اور نیچے ہوتا تو میں تمہارے احتمانہ سوالات سے ہمیشہ کیلئے نیچے جاتا۔“
”گولی۔“ حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ ”لیکن آئی کدر سے۔ آئیے باہر دیکھیں۔“
”سنوبیٹے۔“ فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”دوسرا سوراخ والے جسم کو لاش کہیں گے۔ ویسے تم اس کا نزد کرہ سا تھیوں سے مت کرنا۔“
”لیکن کچھ نہ کچھ تو کرنا چاہئے۔“ حمید مضرب بانہ انداز میں بولا۔

”صرف اتنا ہی کہ چل کر ہوٹل کے فیbrig کو اپنی لطیفہ گوئی سے محفوظ کرو۔ لیکن شہر و جاؤ پہلے میرے صندوق سے دوسری ٹوپی نکال لاؤ۔ اُسے رکھتے آتا۔“
حمدید قریب قریب دوڑتا ہوا اپنے کمرے تک آیا۔ فریدی کے صندوق سے ٹوپی نکالی اور قاسم کی گھوں گھوں پر دھیان دیے بغیر باہر نکل گیا۔
دونوں ڈائینگ ہال میں پہنچ۔

فیbrig کا ٹنر پر کہیاں لیکے خلاء میں گھور رہا تھا۔ ان کے قدموں کی آہٹ پر چوک کر مسکرانے لگا۔ اس کی مسکراہٹ بڑھاپے میں بھی بڑی دلا دیز تھی۔

”مجھے بڑا فسوس ہے آپ لوگوں کو بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔“ اس نے کہا۔

”قطیعی نہیں.... ویسے میں نے سنا ہے کہ آپ کو دو ایک آدمی مل گئے ہیں۔“ فریدی بولا۔
”جی ہاں! ایک بادر پی اور دو خادم۔“

”چلتے یہ بھی غنیمت ہے۔“ فریدی نے کہا اور ایک اچھتی سی نظر ڈائینگ ہال پر ڈالی۔ دو آدمیوں کے علاوہ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ حمید نے انہیں پہلی نظر میں پیچان لیا۔ یہ انہیں تینوں شکاریوں میں سے تھے۔ جن سے وہ صحیح اتحتہ الحجت رہ گیا تھا۔ اس وقت بھاری چہرے والا ان میں نہیں تھا۔

”جگہ تجویز کرنے کے لئے بلایا ہے۔“
”رہائشی کردوں سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں۔“ حمید نے بڑی سمجھی گی سے کہا۔
”بکنے لگے۔“

”سنئے جتاب! میں پھر کا نہیں ہوں مجھے سردی لگ، ہی ہے اور میں زیادہ دیر تک کسی کھلی جگہ پر شہر نہیں سکتا۔“

”تم آئے ہی کیوں تھے۔“ فریدی نے جب سے دور میں نکال کر لگاتے ہوئے کہا۔
”آدمی کا احتمان پن دیکھئے۔“ حمید بولا۔ ”ظاہر ہے کہ لوڑیاں کھائی نہیں جاتیں اور محض ان کی کھالیں حاصل کرنے کے لئے اتنے دھکے کھانا عقل مندی نہیں۔ کیا تباوں یہ بات مجھے پہلے نہ سو جھی ورنہ میں وہیں آپ کو لوڑیوں کی کھالیں خود دیتا۔ ایک دن نہیں بلکہ درجنوں۔“
”بکومت۔“

”بہت بہتر۔“ حمید واپسی کے لئے مرتا ہوا بولا۔ ”نیچے ہی ملاقات ہو گی۔ یہ جگہ چونکہ خط استوای سے بہت دور نہیں لہذا مجھے ذرہ ہے کہ کہیں میرا جگرانیہ خطرے میں نہ پڑ جائے۔“
حمدید نے چند ہی زینے طے کئے تھے کہ دفتار اس نے فائز کی آواز سنی اور ساتھ ہی کوئی چھپت پر دھم سے گر پڑا۔

”کیا ہوا؟“ حمید چیخ کر مڑا اور پھر تیزی سے اوپر جانے لگا۔ اس کا سر چھپت کی سطح سے تقریباً ایک ہی بالشت ابھر اٹھا کہ اُسے فریدی کی آواز سنائی دی۔
”نیچے جاؤ۔“

فریدی چھپت پر اونڈھا پڑا سیڑھیوں کی طرف ریگ رہا تھا۔
حمدید یوار کی طرف منہ کے ہوئے تین چار سیڑھیاں نیچے اتر گیا۔
”اتر جاؤ۔“ فریدی کی آواز پھر سنائی دی۔ حمید نے وہیں سے چھلانگ لگادی اور نیچے پہنچ کر فریدی کو سیڑھی سے اترتے دیکھا رہا۔

”کیا ہوا... کیا ہاتھ ہے۔“ حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔
”کچھ نہیں! صرف ٹوپی بدلنی پڑے گی۔“ فریدی مسکرا کر بولا اور اپنے سر سے بالدار ٹوپی اتار کر حمید کے پھرے کے قریب کر دی۔

فریدی اور حمید کاؤنٹر کے قریب جا کر کھڑے ہو گئے۔
”کیوں جناب۔“ فریدی نے فیجر کو آہستہ سے مخاطب کیا۔ ”کبھی آپ کے ہوٹل میں کوئی
قل بھی ہوا ہے۔“

”قل....!“ فیجر یک بیک پوچھ پڑا۔ ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“
”اب میں آپ کو قل کا مطلب کس طرح سمجھاؤ۔“
”نہیں صاحب! یہاں کبھی قل و تل نہیں ہو۔“

”میں نے یو نہیں پوچھا تھا۔“ فریدی نے جیب سے سگار کیس نکالتے ہوئے کہا۔ ”لیجھے۔“
”جی شکریہ! مجھے تمباکو سے رغبت نہیں۔“
فریدی نے ایک سگار سلاگالا۔
”میں نہیں کبھی سلتا کہ آپ نے یہ سوال کیوں کیا؟“ فیجر آہستہ سے بڑھا۔ جیسے اُس نے
خود سے کہا ہو۔

”اوہ! آپ الجھن میں نہ بتتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ پھر ہال میں بیٹھے ہوئے دونوں
آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ ”شکاری۔“

”جی ہاں! اور آپ ہی لوگوں کی طرح میرے لئے ابھی ہیں۔“
”یعنی۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”میرا خیال ہے کہ یہ اس بیزن کے علاوہ اور کبھی یہاں نہیں پھربرے۔“

”کب سے مقیم ہیں۔“

”تقریباً ایک ماہ سے۔“

”تب تو انہوں نے کافی شکار کر لیا ہو گا۔“

”مجھے اس کے متعلق علم نہیں لیکن میں آپ لوگوں کو ایک مشورہ ضرور دوں گا۔ وہ بھی
محض اس لئے کہ آپ کے ساتھ لیڈریز بھی ہیں۔ یہاں کسی شکاری سے دشمنی مت مول لیجھے گا۔
خصوصاً پیشہ در شکاریوں سے۔ کیونکہ بیزن ختم ہونے پر جب برف پکھلتی ہے تو دو چار لاشیں
ضرور نکلتی ہیں۔ آج تک کوئی بیزن خالی نہیں گیا۔“

”اوہ....!“ فریدی نہ صرف سمجھیہ ہو گیا بلکہ اس کی آنکھوں سے حیرت بھی جھانکنے لگی تھی۔

جس کے متعلق حمید نے اندازہ لگایا کہ وہ سو فیصدی مصنوعی تھی۔

”جی ہاں! پچھلے سال تین لاٹیں میں تھیں اور وہ تینوں شکاری تھے۔ ان میں سے ایک کا قیام
یہاں فزارو میں تھا۔“

”پولیس نے کچھ نہیں کیا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”پولیس....!“ فیجر تمثیر آمیز لمحہ میں بولا۔ ”پولیس نے ان لاٹوں کو اٹھوا کر ان کا
پوٹ مارٹم کر دیا تھا۔“

”اگر ہم یہیں کاؤنٹر پر کھڑے کھڑے کافی ہیں تو کیا حرجن ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”کوئی حرجن نہیں جناب۔ ابھی یعنی اسٹرونگ یا لائسٹ۔“

”اسٹرونگ وڈ کریم۔“

فیجر چلا گیا۔ وہ دونوں دہیں کاؤنٹر پر کھڑے رہے۔

”یہ شکاری۔“ حمید آہستہ سے بولا۔ ”ان کے ساتھ ایک اور بھی تھا۔“

”میں جانتا ہوں.... میں نے صبح دیکھا تھا۔“

”اور وہ تیسری صورت سے کوئی اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔“

”صورتیں اکثر دھوکا بھی دیتی ہیں۔“

فیجر واپس آگیا۔ شاندروہ پکن میں کافی کرنے کہنے گیا تھا۔

”آخر یہ شکاری آپس میں لڑکیوں جاتے ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”اس کی بھی ایک وجہ ہے۔“ فیجر بولا۔ ”شکار کرنے کوئی جگہ مخصوص نہیں ہے۔ ہونا یہ
چاہئے کہ سرکاری اجازت ناموں کے ساتھ مختلف پارٹیوں کے لئے جگہ کا تعین بھی کر دیا جائے
کیونکہ کئی مقامی اخبارات نے حکام کی توجہ اس طرف مبذول کرانے کی کوشش کی ہے لیکن کوئی
نتیجہ نہیں نکلا۔“

”یہ تواناقی بری بات ہے۔“ فریدی نے کہا۔

کچھ دری خاموش رہی پھر کافی آگئی۔

”آپ کی وہ لڑکی۔“ فریدی کافی کے کپ میں شکر ذاتا ہوا بولا۔ ”کیا یہاں کسی سے اُس کی
دشمنی تھی۔“

”نہیں جتاب وہ بڑی نیک لڑکی تھی۔“

”اوہ! لیکن نیک آدمیوں کے بھی تو دشمن ہوتے ہیں۔ ان کی نیکی ہی دوسروں کی دشمنی کی وجہ بن جاتی ہے۔“

”ہوتے ہوں گے مگر... اس کا کوئی دشمن نہیں تھا کیونکہ وہ کسی سے زیادہ ملتی ہی نہیں تھی۔“

”اغواہ کی وارداتیں یہاں عام ہوں گی۔“

”نہیں جتاب میرے ہوٹل میں یہ پہلا واقعہ ہے۔“

”آپ غلط سمجھے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”یہاں سے مراد ٹیکم گذھ تھی۔“

”ٹیکم گذھ کیلئے اغواہ کی وارداتیں نی نہیں اور ایسی وارداتیں عموماً سردیوں میں ہوتی ہیں۔“

”سردیوں میں۔“ فریدی کچھ سوچنے لگا۔

”لیکن وہ پہ اسرا رنشات! ٹیکم گذھ کے لئے نہ ہیں۔“ فیجر نے کہا۔

”نہ ہیں... مگر میں نے سنائے کہ وہ اس سے قبل بھی مختلف مقامات پر دیکھے گئے ہیں۔“

”جی ہاں! یہ اسی سیزن کی بات ہے شاید پندرہ میں دونوں سے اُنکے متعلق سنائی دینے لگا ہے۔“

ہال کے چوبی فرش سے جوتے کی آوازیں پھیل رہی تھیں۔

فریدی اور حمید نے مڑک دیکھا۔ بھاری چہرے والا شکاری ہال میں داخل ہو چکا تھا۔

حماقتیں

”گڈائیونگ فیجر۔“ اس نے فیجر کو مخاطب کیا۔

”ایونگ جنٹلمن۔“

”میں بھی گرم کافی کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔“

”ضرور ضرور!“ فیجر نے کاؤٹر پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائے ہوئے کہا۔ ”اسڑ ونگ۔“

”اسڑ و نکسٹ پو سیل۔“

وہ باسیں کہنی کاؤٹر پر نیک کردا ہے ہاتھ کی انگلیوں سے اپنی رانقل کا کندہ لکھ کھٹانے لگا، جو اس کے کانہ سے سے لگی ہوئی تھی۔ اس وقت حمید کو اس کا چجزہ پہلے سے بھی زیادہ خوفناک معلوم

ہو رہا تھا۔ فریدی نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا اور پھر کافی پیٹھے لگا۔

”آپ لوگوں کو بھی تکلیف ہو رہی ہے۔“ فیجر نے اس سے کہا۔

”ہمیں کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔“ شکاری مسکرا کر بولا۔

”شکار کیسا ہو رہا ہے۔“

”انہائی خرابت ہونے کے برابر۔ اس بار گروئی کی پارٹی بڑی زبردستیوں پر اتر آئی ہے۔ کیا کروں میرے پاس زیادہ آدمی نہیں ہیں ورنہ ایک ایک کو سیدھا کر دیتا۔ ایسے میں تو دنباہی پڑتا ہے۔“

”آپ لوگ کدھر جا رہے ہیں۔“

”سیتل گھٹائی کی طرف! شکاری کی طرف! اُنھیں ہوئے ہے۔ مگر گروئی کے کتنے بھی اُوھر ہی جادہ ہے ہیں۔“

”پہنچنے والے بھی اس بار گروئی صاحب فرار میں کیوں نہیں ہوئے۔“

”اُسے شاید معلوم تھا کہ میں اس بار قفار میں قیام کروں گا۔“

”تو آپ پہلے بھی یہاں آتے رہے ہیں۔“ فیجر نے پوچھا۔

”برابر... میں تقریباً دس سال سے یہاں آ رہا ہوں۔“ شکاری نے دیٹر کے ہاتھ سے کافی کی ٹڑے لیتے ہوئے کہا۔ اسکے دونوں ساتھی ڈائینگ ہال کے ایک گوشے میں طریقہ کھیل رہے تھے۔

”گروئی صاحب اس بار کہاں ہوئے ہیں۔“ فیجر نے پوچھا۔

”شہر میں... لیکن ہوٹل میں نہیں۔ انہوں نے کوئی بلڈنگ کرائے پری ہے؟“

”تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر بھاری چہرے والا فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔“ ”خصوصاً آپ لوگوں کو بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔ آپ بالکل نئے معلوم ہوتے ہیں۔“

”مقدمہ تفریق ہے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”اگر شکار نہیں بھی ملے گا تو ہمیں افسوس نہ ہو گا۔“

”ٹھیک ہے! ٹھیک ہے۔“ شکاری ہنس پڑا۔ ”ویسے یہ بیٹھوں اور ہر نوں کاشکار نہیں ہے۔“

”میں تو ہاتھیوں اور شیروں کے شکار کو بھی اس سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔“ فریدی نے کہا۔

”بہت خوب۔ جناب کا اسم شریف۔“

”ایکس، دائی، زید کچھ بھی سمجھ لجھے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”نام شکار نہیں کھیلا کرتے۔“

”یہاں تو گروئی کا نام ہی شکار کھیلا کرتا ہے۔“ شکاری نے سنجیدگی سے کہا۔

”اوہ تو وہ اتنا خوفناک ہے۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”اگر آپ کی پارٹی نے بھی سیل گھائی کا رخ کیا تو اس سے کسی رسی تعارف کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔“
 ”سیل گھائی۔“ فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”ہم وہیں شکار کھلیں گے۔“
 شکاری نے کچھ اس قسم کا تھہہ لگایا جیسے اس نے کسی بچے کی زبان سے کوئی حماقت انگیز بات کی ہو۔

پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کیا۔ ”دستو! آخر کار ہمیں ایک آدمی تو ایسا ملا تو سیل گھائی میں علاشی شکار کھلیے گا۔“
 ”وہ دونوں پہلے وہیں بیٹھے اسے دیکھتے رہے پھر شترنچ کی بازی چھوڑ کر اٹھ آئے۔“
 ”یہ جیا لے۔“ اس نے فریدی اور حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”سیل گھائی....“
 ”میرا خیال ہے۔“ فریدی نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”آپ تہذیب کی حدود سے آگے بڑھ رہے ہیں۔“

”اوہ! مجھے افسوس ہے۔“ شکاری یک یہک سنجیدہ ہو گیا۔
 ”آپ کی تعریف۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔

”تعریف میں بھی نہیں جانتا۔“ بھاری چہرے والے نے کہا۔ ”لیکن صورت سے مستقل مزان آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ ٹھوڑی اور ناک کی بناوٹ کہہ رہی ہے کہ سفاکی اور نرم دلی دونوں موجود ہیں۔“

”قیانے کی داد دینی پڑے گی۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔
 ”آپ میں مرد کتنے ہیں۔“ بھاری چہرے والے نے پوچھا۔
 ”چھ... اور....!“

”کیا آپ ہم سے تھوڑی دیر تک ٹھنٹکو کرنا پسند کریں گے۔“ شکاری نے فریدی کی بات کاٹ کر پوچھا۔ فریدی پچھے سوچ رہا تھا۔ وہ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔
 ”مشرو را بڑی خوشی سے۔“

”تو آئیے؟“ شکاری ڈائینگ ہال کی میزوں کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔
 ”جید الجھن میں پڑ گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں۔ آرہا تھا کہ آخر فریدی کو ہو کیا گیا ہے لے کچھ

ہی دیر قبل اس پر حملہ ہو چکا تھا اگر کوئی ایک انجی یونچے گی ہوتی تو اس وقت اس کی جگہیز و عکھین کا مسئلہ درپیش ہوتا۔ اس کے باوجود بھی وہ اتنا پر سکون نظر آرہا تھا جیسے وہ سب محض مذاق ہو۔ شکاریوں کی آپس کی خلش کے متعلق وہ مخبر سے سن چکا تھا اور اب یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ اسی بھاری چہرے والے کی حرکت نہ رہی ہو۔
 وہ پانچوں ایک گوشے میں آیا۔

”ہاں تو میرے دوست....!“ بھاری چہرے والے نے فریدی کو مخاطب کیا۔ ”گروی برا خطرناک آدمی ہے۔ وہ اپنے کسی بھی حریف کو زندہ دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ دس سال کے عرصے میں میں نے اپنے تیرہ سا تھی ضائع کئے ہیں۔“

”کیا وہ گروی ہی کا شکار ہوئے تھے۔“ فریدی نے پوچھا۔
 ”قطعی! اس کی پارٹی ہمیشہ طاقت و رہتی ہے اور وہ ہمیشہ مکاری سے مارتا ہے۔“
 ”پولیس پکج نہیں کرتی۔“

”پولیس آج تک اس کے خلاف ثبوت نہیں بہم پہنچا سکی۔“

”کوئی اور بھی پارٹی ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔
 ”بہتیری تھیں لیکن اب میری پارٹی کے علاوہ اور کوئی نہیں رہ گئی۔ اب کوئی ٹکم گذھ کی طرف رخ بھی نہیں کرتا۔ اس بار بھی میرے ساتھ چودہ آدمی آئے تھے لیکن اب بھی دو مرد رہ گئے ان کے علاوہ اور سب نے پیٹھے دکھائی۔“

فریدی نے سگار کیس نکال کر میز پر رکھ دی۔ بھاری چہرے والے نے ایک سگار نکال کر سلکاتے ہوئے کہا۔ ”میں دس سال سے اس کے مقابلے پر جا رہا ہوں۔ اب یا تو میں اس کے پاتھ سے مارا جاؤں گا یا وہ خود میرے ہاتھوں جنم رسید ہو گا۔“

”تو پھر وہ بھی آپ کی تاک میں رہتا ہو گا۔“ فریدی نے پوچھا۔
 ”قطعی! وہ کمی بار بچھ پر حملہ کر چکا ہے۔“

”یعنی اگر اس کا بس چلے تو وہ آپ کو کوئی مار دینے سے بھی دریغ نہ کرے۔“
 ”تجھیں ہاں اپا لکل بھی بات ہے۔“

فریدی پچھے سوچنے لگا۔ ... پچھوڑ دیر خاموشی رو کر اس نے بھاری چہرے والے سے پوچھا۔

"ہوٹل کی واردات کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟"
"واردات....! میں اسے حیرت انگیز کہتا۔ لیکن ڈیڑھ فٹ لمبے بیروں کے نشانات مجھے شے
میں ڈال رہے ہیں۔"

"کیوں؟ شے کس بات کا؟" فریدی نے پوچھا
"وہ نشانات یہاں قریباً ایک ماہ سے دیکھے جا رہے ہیں۔ سب سے پہلے وہ سیٹل گھائی میں
دیکھے گئے تھے اور اب بھی زیادہ تر وہیں دکھائی دیتے ہیں۔"
"(لیکن یہ شے کیوں؟" فریدی نے کہا۔

"میں انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی گردی کی کوئی شرارت ہو۔"

"ہو سکتا ہے لیکن اس کا مقصد بھی ہو گا۔ آخر مقصد کیا ہو سکتا ہے۔"

"دوسری پارٹی کو خوف زدہ کرتا۔" بھاری چہرے والے نے کہا۔ "ظاہر ہے کہ کمزور دل
کے آدمی اسی صورت میں سیٹل گھائی کا رخ نہ کریں گے۔"

فریدی صرف سر ہلا کر رہ گیا۔

"گردی آپ لوگوں کا بھی دشمن ہو جائے گا۔" بھاری چہرے والا پھر بولا۔

"مگر ہماری دشمنی شائد اسے بہت مہنگی پڑے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"آپ ناداقیت کی بناء پر ایسا کہہ رہے ہیں۔ گردی یعنی شیطان کا نطفہ ہے۔"

"ہم لوگوں سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔" حمید نے کہا۔ "وہ شروع ہی سے خاموش تھا لیکن
اب اس کی زبان میں کھلپی ہونے لگی تھی۔"

"آس سے بھڑنا آسان نہیں۔"

"غیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے لاپرواں سے کہا۔ "شکار تو ہم ہر حال کھلیں گے۔"

"کب سے اڑاہہ ہے۔"

"کل سے۔"

"اور سیٹل گھائی میں ہی۔"

"می ہاں دیہیں۔"

"خیر میں نے پھا فرض ادا کر دیا۔ آگے آپ کو اختیار ہے۔" شکاری بولا۔

"ہم اس پر غور کریں گے۔" فریدی نے سمجھ دی گئی سے کہا۔

"ویسے اگر کبھی ہمارے تعاون کی ضرورت محسوس ہو تو بلا تکلف کہہ دیجیے گا۔"

"شکریہ۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلاکا کر کہا۔

"ان نشانات کے متعلق آپ نے کوئی واضح خیال نہیں ظاہر کیا۔" حمید نے کہا۔

"میں نے اپنا شے ظاہر کر دیا۔ وہ بھی اس بناء پر کہ وہ زیادہ تر سیتل گھائی میں دیکھے گئے ہیں اور اگر اس لڑکی کے انخواہ میں گردی ہی کا باหٹھ ہے تو اس سے بڑا چھپھور اشا ندی روئے زمین پر دوسرا ہو۔"

"گردی ہے کون؟" فریدی نے پوچھا۔

"ایک پیشہ در شکاری۔ اس سے زیادہ میں بھی نہیں جانتا۔"

سلسلہ گفتگو زیادہ دری تک جاری نہ رہ سکا۔ نواب صاحب نے فریدی کو بلوا بھیجا تھا۔ دوسری منزل پر جاتے وقت فریدی نے حمید سے کہا۔

"لیا خیال ہے۔"

"شائد وہ ہم سے تعاون کرنا چاہتا ہے۔"

"اگر واقعی گردی اُسی کے بیان کے مطابق لکھا تو۔" فریدی نے کہا۔

"ہمیاں توڑ دیں گے اُس کی۔ میرا پھا اس کی تا تکیں چیر کر پھیک دے گا۔"

"کون! قاسم.... بھی بڑا بے وقوف آدمی ہے۔"

"بہترین تفریق ہے۔" حمید نہ کر بولا۔ "میں اسے عشق پر آمادہ کر رہا ہوں۔"

"یعنی....!"

"وہ فرزانہ سے عشق کرنے گا۔"

"لا حول ولا قوہ... بار اس لڑکی کے گفتگو کے انداز سے میں بُری طرح اکتا گیا ہوں۔"

فریدی نواب صاحب کے کمرے میں چلا گیا اور حمید نے اپنے کمرے کی راہی۔ یہاں قاسم کی

"گھوٹ گھوٹ" کے ساتھ چند سریلے قہقہے بھی گونج رہے تھے۔ اندر بیچ کر اس نے عجیب ہنگار

دیکھا۔ غزالہ، شہزاد، فرزانہ اور صوفی چاروں موجود تھیں۔ کمرے کی ایک چھوٹی میراثی پڑی

تھی۔ حمید نے اپنی راکفل فرش پر پڑی دیکھی جس کی نال تھے سے میراثی ہو گئی تھی۔ آتش دا ان کو

”اوچلیں۔“ غزانہ نے شہناز سے کہا۔
 ”نہیں بھئی! اب حمید صاحب بھی کمالات دکھائیں گے۔“ صوفیہ مسکرا کر بولی۔
 ”ضرور! ضرور۔“ حمید نے اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔ ”قاسم چلتی ہے جاؤ۔“
 ”کیوں؟ ہمہا۔“
 ”میں بھی کچھ دکھاؤں گا۔“ حمید نے اپنے سوت کیس میں ہاتھ ڈال کر کچھ مٹولتے ہوئے کہا۔
 ”چلتی ہے۔“ قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔
 ساتھ ہی کڑکڑاہٹ سنائی دی۔ حمید نے ایک برا ساختاری چاقو کھول لیا تھا۔
 قاسم بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔
 ”میں اس کی گردن کاٹ کر پھر جوڑوں گا۔“ حمید نے لڑکوں سے کہا۔
 اس کے چہرے پر بلاکی سنجیدگی تھی۔ وہ سب ہنس پڑیں لیکن حمید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ
 نکلنے آئی۔
 ”ورو نہیں قاسم۔“ حمید زرم لجھ میں بولا۔ ”تمہیں ذرا بھی تکلیف نہ ہو گی۔“
 ”ہم.... گر۔“
 ”کچھ نہیں... گردن الگ کر کے پھر جوڑوں گا۔“
 ”نہیں.... نن.... نہیں۔“
 ”ورومت۔“ حمید جیچ کر بولا۔
 لڑکیاں سمجھیدہ ہو گئیں۔
 ”لیٹ جاؤ قاسم۔“ حمید پھر گر جلا۔
 فرزانہ نے پھر اسے اپنی طرف متوجہ کرنیکی کوشش کی۔ حمید نے اسکی طرف دیکھاںک نہیں۔
 ”قاسم....!“
 قاسم حیرت سے مند پھاڑے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔
 لڑکوں نے آپن میں کچھ اشارے کئے اور وہاں سے چلی گئیں۔
 ”کیوں بے ذفر۔“ حمید چاقو ایک طرف ڈال کر بولا۔ ”یہ کیا حرکت تھی۔“
 ”حمید بھائی خفا ہو گئے۔“

اشتعال دینے والی لوپے کی موٹی سلاح اس طرح مزی ہوئی تھی کہ اس کے دونوں سرے ایک
 دوسرے سے مل گئے تھے۔
 اور پھر اس نے قاسم کو دیکھا، جو سامنے کھڑا ٹوٹے ہوئے گلاس کے ٹکڑے چاچا کر تھوک
 رہا تھا۔
 ”ابے یہ کیا کیا؟“ حمید اپنی رانفل اٹھاتا ہوا جیخا۔
 ”سید ہی کردوں گا حمید بھائی۔“ قاسم نے شیشے کا ٹکڑا چاچاتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہا۔
 حمید آنکھیں پھاڑے اُسے گھورتا رہا۔
 ”اب میں یہ دونوں کر سیاں۔“ قاسم نے لڑکوں کو مخاطب کیا۔ ”اپنی بغلوں میں دبا کر توڑ
 دوں گا۔“
 ”دامغ خراب ہوا ہے۔“ حمید پھر چیخا۔
 ”حمدید بھائی صرف ہمیں دونوں کر سیاں۔“ قاسم نے بڑی سمجھی گی سے کہا اور وہ چاروں ہنپڑیں۔
 ”شامت آئی ہے۔ کیا یہ میرے تمہارے باپ کی کریماں ہیں۔“
 ”اور قاسم بھائی وہ سوت کیسوں والا کھیل۔“ شہناز اٹھلا کر بولی۔
 ”ابے مارہی ڈالوں گا۔“ حمید مکاتاں کر بولا۔
 قاسم کھیلی ہمی کے ساتھ ایک طرف بیٹھ گیا۔
 ”حمدید صاحب۔“ فرزانہ بولی۔ ”آپ نے ہمیں اتنے شاندار کمالات سے محروم کر دیا۔“
 ”آپ بھی کچھ فرمائیے۔“ حمید نے جل کر شہناز کو مخاطب کیا۔
 ”وہ سوت کیسوں والا کھیل۔“ شہناز نے قاسم سے کہا۔
 ”سنو...!“ حمید جھلا کر بولا ”ایک کھیل مجھے بھی آتا ہے۔“
 ”وہ کیا ہے حمید صاحب۔“ غزانہ نے مسکرا کر پوچھا۔
 ”کمرے کا سار اسلام ان ایک جگہ اٹھا کر دیجئے۔ پھر اس پر پڑوں چھڑک دیجئے۔“
 ”میں پڑوں بھی نہیں سکتا ہوں۔“ قاسم نے شرم کر کہا۔
 ”میں تمہیں پڑوں پااؤں گا۔“ حمید دانت پیس کر بولا۔
 ”حمدید صاحب آج آپ کچھ محروم امراض سے نظر آ رہے ہیں۔“ فرزانہ بولی۔

”خنا کے بچے! ان پر اپنی طاقت کا رب ڈال رہے تھے۔“

”آپ ہی نے تو کہا تھا۔“ قاسم جلا کر بولا۔

”میا کہا تھا میں نے۔“

قاسم نے شرما کر سر جھکایا۔ اس کے ہونٹ ذرا سے کھلے۔ پھر ایک شر میلی سی مسکراہٹ

کے ساتھ نظریں جھکائے ہوئے اس نے کہا۔ ”آپ نے نہیں کہا تھا کہ فرزانہ سے عشق کرو۔“

”ہائیں۔“ حمید اچھل کر بولا۔ ”تو یہ تم عشق کر رہے تھے۔“

”مطلوب یہ کہ....!“

”اب میں سمجھا! حمید اس کی بات کاٹ کر بولا۔“ اسی طرح تم یوں سے بھی عشق جاتے ہو گے۔“

قاسم منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگا۔

”اور تم نے ڈیڑھ ہزار کی راٹقل بر باد کر دی۔“

قاسم نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

”اب ہستے ہو بے شرم۔“

”حمدید بھائی۔“ قاسم اٹھتا ہوا بولا۔ ”راٹقل کی نال یہ رہی۔“

اس نے صندوق کے پیچھے سے راٹقل کی نال نکال کر پلٹک پر ڈال دی۔

”پھر یہ کیا ہے۔“

”پکے لوہے کی ٹنلی.... دیکھئے تھتی خوبصورتی سے فٹ کی ہے۔“ قاسم نے قہقہہ لگایا۔

حمدید کو چیخ اپنی عشق پر روتا آگیا۔ کیونکہ راٹقل کی نال ٹوٹ کئی تھی میز میں نہیں ہو سکتی۔

”اس نے حمید پر مٹانے کے لئے کہا۔“

”تمہیں دوسرا نالی می کہاں سے۔“

”میں اس قسم کی چیزوں اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔ اس وقت کئی کھیل رہے گئے۔ اچھا آپ

ہی دیکھئے۔“

”حمدید اسے گھوڑنے لگا۔ قاسم نے ایک ہاتھ سینے پر رکھ کر نہ اسامدہ بیٹلی۔“

”یوہا... ہپ.... انٹا۔“ اس کامنہ کھل گیا۔ دانتوں کے درمیان ایک بڑا سالوہ کا گولا

پھنسا ہوا تھا۔

”ہپ....!“ گولامنہ سے نکل کر فرش پر گر پڑا۔

”یوہا... ہپ.... انٹا.... ہپ....!“ دوسرا گولا نکالا۔

اس نے پے درپے سات آٹھ گولے منہ سے نکالے۔

”گلاں کنتے توڑے ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”چار گلاں اور ایک میز جو سڑی ہوئی لکڑی کی تھی۔ اسے توڑنے میں چوڑھائی قوت بھی کام نہیں آئی۔ ان سب کی قیمت میں ادا کر دوں گا۔“

”تم نے خود بخود کرتب دکھانے شروع کر دیے تھے۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں.... فرزانہ نے استدعا کی تھی۔“

”خواہ خواہ استدعا کی تھی۔ اسے کیسے معلوم ہوا کہ جھکر بھی ہو۔“

”وہ تو میں نے ہی بتایا تھا۔“ قاسم نے شرما کر کہا۔

”اڑے آؤ بھینیے....! یہ لوٹیوں کی طرح چلتا کیوں ہے۔“

”حمدید بھائی! ایک گھونسے میں برا بر کر دوں گا۔“ قاسم کو غصہ آگیا۔

”ہمیشہ جالیں رہو گے۔“ حمید پٹپٹا کر بولا۔ ”فردوں کی کاشاہ نامہ پڑھا ہے۔“

”نہیں پڑھا۔“ قاسم نے جھٹکے دار آواز میں کہا۔

”تب ہی تمہیں تاؤ آگیا۔ اے شر زور وقت! شہنشاہ کی کاؤں رس قسم کو یہاں سے بھینسا کہا کرتا تھا۔“

”مجھے بھینسے پر اعتراض نہیں۔ لوٹیوں کی طرح کیوں کہا۔“

حمدید کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ فریدی آگیا۔ اس نے تھیر آمیز نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا اور

پھر ان دونوں کو گھوڑنے لگا۔

”یہ سب کیا ہے۔“

قاسم کو تو جیسے سانپ سو گھنے گیا۔

حمدید مکرا کر بولا۔ ”ہم لوگ ایک نیا تجربہ کر رہے ہیں۔“

”میز کیسے ٹوٹی... ادھ... شانکدیہ گلاں کے ٹکڑے میں... ارے یہ راٹقل کی نال کو کیا ہوا۔“

قاسم صاحب بڑے امن پسند ہیں۔ ”حمدید نے کہا۔ ”انہوں نے تھیہ کیا ہے کہ دنیا بھر کی

خوفناک وادی

رات اندر ہیری نہیں تھی۔ لیکن گلہ کی پہاڑیاں برف کی سفید چادر اور ٹھے اونگھ رہی تھیں۔ آسمان سفید بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ چند اگر ایک پل کے لئے بھی بادلوں کے کسی رخنے سے جھانکنے لگتا تو اونھتی ہوئی پہاڑیاں گویا چمک سی پڑتیں۔ لامبا ہی سناتا بڑا پر اسرار معلوم ہو رہا تھا۔

فریدی حمید اور قاسم سیتل گھانی کی طرف جا رہے تھے۔ ان کی رائفلین ان کے شانوں سے لگی ہوئی تھیں۔ قاسم نے اپنی پیٹھ پر کچھ سامان بھی لادر کھا تھا۔ اس میں ایک پوری چھولداری بھی تھی۔ کافی کافی بہت بڑا تھر موس تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی چھوٹی چھوٹی چیزیں جنہیں پیٹھ پر لا دکر قاسم نے رہی سے بندھوا لیا تھا اور وہ اب اتنی آسانی سے برف پر چل رہا تھا جیسے وہ سارا بوجہ اُسی کے جسم کا ایک حصہ رہا ہو۔

سیتل گھانی کے قریب پہنچ کر انہوں نے فائرول کی آوازیں سنیں۔ وہ چلتے چلتے رک گئے۔ قاسم نے اپنے کاندھ سے رائفل اٹاری۔

”ابھی نہیں۔“ فریدی اس کے کاندھ سے پرہا تھر رکھ کر بولا۔

پھر وہ چنانوں کے ایک سلسلے کی اوٹ میں چلنے لگے۔ ان کے ہاتھوں میں لمبی لمبی چھڑیاں تھیں جن سے وہ زمین پر پڑی ہوئی برف میں سطح کا اندازہ لگاتے چل رہے تھے۔ فریدی کی نظریں خاص طور سے قاسم پر تھیں اور وہ اسے بار بار ہدایات دے رہا تھا۔ اس کے باوجود بھی وہ کئی جگہ گرتے گرتے بچا تھا۔

توڑی تھوڑی دیر بعد فائرول کی آوازیں اب بھی سنائی دیئے جاتی تھیں۔ وہ چلتے رہے سردی کے مارے براحال تھا۔ لیکن اس کے منہ سے شکایت کا ایک جملہ بھی نہیں نکلا تھا۔ کیونکہ شکال کی تجویز پر اس نے بڑے زور و شور سے فریدی کی تائید کی تھی۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کچھ لڑکیاں بھی ان کے ساتھ ہوں گی اس کا جوش و خروش اور زیادہ بڑھ گیا تھا۔ لہذا اب اسے سردی کی شکایت کرتے ہوئے شرم آرہی تھی۔

وہ پھر رک گیا۔ کیونکہ اس پار فارماں کے قریب ہی کہیں ہوا تھا۔ چنانوں کا سلسلہ عبور

رائفلین توڑیں گے اور توپ کے گولے یہ اپنے منہ سے نکلتے ہیں۔ پچھلے سال اپنے بھاں کے عجائب خانے سے جو توپ غائب ہوئی تھی قاسم کے ہپ میں موجود ہے۔“

”مجھے لغویات پسند نہیں ہیں۔“ فریدی جھنجلا کر بولا اور قاسم چمکے سے کھسک گیا۔

”کیا بات تھی۔“ قاسم کے جاتے ہی فریدی نے پوچھا۔

”غزالہ وغیرہ پر اپنی طاقت کا رب ڈال رہا تھا۔ وہ مڑی ہوئی سلاخ دیکھنے ایک گھونسہ مار کر میز توڑ دی اور یہ رائفل۔۔۔ خیر اس میں تو اس نے فراہ کیا تھا۔ تال دوسری فٹ کر دی تھی، جو

پکے لو ہے کی تھی اور یہ گولے... اول درجہ کا شعبدہ باز ہے اس کی یہ خصوصیت آج ہی معلوم ہوئی۔“

”ہوں...۔۔۔ تم نے مجھے اس سے پہلے کبھی کیوں نہیں ملا�ا۔“

”کیوں؟“

”کام کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔“

”فی الحال میں اس سے ایک بہت بڑا کام لینے والا ہوں۔“ حمید نے کہا۔

فریدی کسی سوچ میں تھا۔ پتہ نہیں اس نے حمید کی بات پر دھیان دیا تھا یا نہیں، بہر حال اس نے حمید کے اس جملے پر کچھ نہیں پوچھا۔

”سیتل گھانی تھا رہا دیکھی ہوئی ہے۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”مجھے کچھ یاد نہیں...۔۔۔ بہت عرصے کی بات ہے۔“ حمید نے کہا۔

”خیر... آج رات کو ہمیں سیتل گھانی چلانا ہے۔“

”کیوں...!“

”مجھے گروہی اور اس کے ساتھیوں سے ملتا ہے اور پھر لوٹڑیوں کا شکار تو عموماً رات ہی کو ہوتا ہے۔ قاسم سے کہو کہ وہ بھی تیار رہے۔“

”اور لوگ بھی جائیں گے۔“

”نہیں...۔۔۔ صرف ہم تینوں۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اگر میری نوچی میں آج سوراخ نہ ہوتا تو میں سیتل گھانی کا درخندہ کرتا۔ ضرورت ہی کیا تھی۔ ہمارا مقصد تو محفل تفریح تھا۔“ حمید

سوچ میں پڑ گیا۔

تھے۔ آگے دوسری طرف جانے کا راستہ تھا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اپنی چھٹری برف میں گاڑ دی، جو ہفتھی ہی چل گئی۔ آخر کار وہ چھٹری نکال کر پیچھے ہٹ آیا۔

”شاید گڑھا زیادہ گہرا ہے۔“ اُس نے آہستہ سے کہا۔ پھر اس کی تاریخ کی روشنی دور تک پھیل گئی۔ سامنے برف کی سطح بے داغ نظر آری تھی۔

”آخروہ گیا کدھر۔“ فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”بڑی سردی ہے۔“ قاسم بڑھ رہا۔

”پلو باہر نکلیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”صحح دیکھیں گے۔“

وہ دراڑ سے نکل آئے۔ پہلے ہی جیسا پر اسرار سنانا فضا پر مسلط تھا۔

”شکار کھال ہے۔“ حمید بڑھ رہا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے کہا۔

”واقعی یہ بات جیزت انگیز ہے۔ پھر یہ گولیاں کیسی چل رہی تھیں۔ آوازیں اُدھر سے آئی تھیں۔“ فریدی نے دور تک پھیل ہوئے چنانوں کے سلسلے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”پھر وہی....!“ حمید اچھل پڑا۔ جدھر فریدی نے اشادہ کیا تھا۔ اُدھر ہی پھر اسے برف کا ایک متحرک تودہ دکھائی دے رہا تھا۔

”ہے تو۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

قاسم ان کے پیچے تھا۔ وہ دونوں یہ نہ دیکھ سکے کہ قاسم اپنی رائفل سیدھی کر رہا ہے وہ اس وقت چوکے جب انہوں نے فائز کی آواز سنی۔

قاسم شاید اب دوسرے فائز کے لئے بھی تیار تھا۔ یہ بات انہوں نے محسوس کی تھی کہ وہ تو گولی لگنے کے باوجود بھی رینگ کر رہا تھا۔ فریدی قاسم کو روک بھی شپاپا تھا کہ اس نے دوسرا فائز کر دیا۔ گولی لگی لیکن وہ شے برابر رینگتی رہی۔

”کیا کر رہے ہو؟“ فریدی نے اُسے ڈالنا۔

”کیا زندہ پکڑیے گا۔“ قاسم نے بڑے بھولے پن سے پوچھا۔

”ہاں.... آگے بڑھو۔ اُسے تم ہی پکڑ سکو گے۔“ فریدی بولا۔

قاسم نے بڑے اطمینان سے رائفل کا بندھے پر لٹکائی اور پھر شاید دوڑ لگانے کا ارادہ کر رہا تھا

کر کے وہ گھٹائی میں اتر گئے۔

”بڑی جیزت کی بات ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”شکار کہیں نظر نہیں آتا لیکن فائز برابر ہو رہے ہیں۔“

”شکار کو بدار ہے ہیں۔“ قاسم بڑھ رہا۔

”کیا... کیا بک رہے ہو۔“ حمید نے کہا۔

”اوہ کیا۔“ دفعٹا فریدی چونک کربولا۔

ان دونوں کی نظریں بھی اُدھر ہی اٹھ گئیں جدھر فریدی دیکھ رہا تھا۔ قریباً ایک فرلانگ کے

فائلے پر برف کا ایک نھاٹیلا متحرک نظر آرہا تھا۔

”یہ کیا ہے؟“ حمید خوفزدہ آواز میں بولا۔

”پتہ نہیں۔“

برف کا تودہ رینگتا ہوا ایک چٹان پر چڑھ رہا تھا۔

”بھھھ... بھوت....!“ قاسم کا پیٹے لگا۔

”چپ....!“ فریدی نے قاسم کا شانہ دبادی۔

چٹان پر چڑھ کر وہ تودہ دو چنانوں کی درمیانی دراڑ میں اتر گیا۔ پھر انہیں ایسا معلوم ہوا کہ

جیسے تودہ یک سست کاؤنچا ہو گیا ہو۔ ایک پل کے لئے چاند نے بادلوں سے جھانکا اور پوری

وادی چمک اٹھی۔ چنانوں کی دراڑ میں کوئی نہیں تھا۔

”ہمیں غائب۔“ قاسم بڑھ رہا۔

”او۔“ فریدی نے کہا اور وہ اسی دراڑ کی طرف بڑھنے لگے۔

”میرے خیال سے وہ کوئی سفید ریچھ تھا۔“ حمید نے کہا۔

”ہشت....!“ فریدی بولا۔ ”سفید ریچھ صرف ٹھڈرائیں پائے جاتے ہیں۔“

وہ پھر خاموشی سے چلتے رہے۔ فائزوں کی آوازیں بند ہو گئی تھیں۔

وہ اسی دراڑ کے قریب پہنچ۔ جہاں وہ سفید متحرک شے غائب ہو گئی تھی۔

”ارے....!“ حمید کی لخت اچھل پڑا۔

برف پر ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں کے نشانات نظر آرہے تھے۔

فریدی نے جیپ سے تاریخ نکالی اور دراڑ میں گھستا چلا گیا۔ نشانات کچھ ہی دور بعد ختم ہو گئے

کہ فریدی نے اسے پکڑ لیا۔

”برف میں دفن ہو جاؤ گے۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”اوھر سے آؤ۔“

فریدی آگے تھا قاسم اور حمید اسکے پیچے چل رہے تھے۔ اس سفید شے کے رینگے میں تیز رفتاری نہیں تھیں۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اسے چند لمحے پیشتر گئی ہوئی گولیوں کا احساس تک نہ ہو۔

فریدی نے اس پر نارج کی روشنی ذالی۔ اس کے باوجود بھی اس کی رفتار میں کوئی فرق نہ آیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی اندر ہی اور بہری شے ہو۔

”قاسم فائز کرو۔“ فریدی نے پلٹ کر کہا۔ مگر اب نہ جانے کیوں قاسم کی گھنکھی بندھ گئی تھی۔

”فب... فر... فردی لگ رائی اے۔“ قاسم کے منہ سے عجیب طرح کی آوازیں نکلنے لگیں۔

”کیا ہوا؟“ فریدی نے تحریر آمیز لمحے میں کہا۔ حیرت کی بات بھی تھی۔ ابھی کچھ ہی ویر پہلے

قاسم نے اس پر نہ صرف فائز کے تھے بلکہ دوڑ کر اسے پکڑ لینے کا بھی ارادہ رکھتا تھا۔

”سردی ہے.... نج... جتاب۔“ قاسم نے کاپنے ہوئے کانڈھے سے رائفل اتار دی۔

لیکن وہ اس کے ہاتھ ہی میں جھوٹی رہ گئی۔

”قاسم....!“ حمید نے اسے بھجوڑا۔

فریدی نے اپنی رائفل اتار دی اور فائز کر دیا۔۔۔۔۔ لیکن لا حاصل۔ اس کا ناشانہ ٹھیک تھا لیکن

اس شے میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ پھر فریدی دوسرا فائز کرنے جا رہا تھا کہ اچانک اس سفید شے کا

رخ ان کی طرف پھر گیا اور وہ اوپر جانے کی بجائے نیچے اترنے لگی۔ فریدی نے پھر نارج روشن کی

اور اس بار انہوں نے اسے بالکل صاف دیکھ لیا۔ بر ف کا ایک ڈھیر تھا جس نے آدمی کے جسم کی

شکل اختیار کر لی تھی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کوئی آدمی گھنٹوں اور ہتھیلوں کے بل ریگ رہا ہو۔

قاسم کے منہ سے نکلنے والی آوازیں تیز ہو گئیں اور بر قمید بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا۔

”شٹ اپ۔“ فریدی نے جیخ کر کہا لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

فریدی نے پھر فائز کیا اس بار وہ گھنٹوں کے بل چلے والی شے اچھل کر آدمیوں کی طرح

دو نوں پیروں پر کھڑی ہو گئی۔ یہ ایک قد آور بر ف کا آدمی تھا۔ اس کے علاوہ اور کہا بھی کیا جاسکتا

تھا۔ اگر سفید ریچھ کہا جاتا تو اس کے کھڑے ہونے کا انداز اس خیال کو جھلادیتا۔ سفید بن مانس کا

بھی خیال فضول تھا کیونکہ بن مانس بھی آدمیوں کی طرح سیدھا نہیں کھڑا ہو سکتا۔

فریدی نے پھر فائز کیا۔ اس بار اس نے سینے کا ناشانہ لیا تھا۔ لیکن اس کی رفتار میں لٹکھ رہا تھا تک نہ پیدا ہوئی۔ وہ نہایت اطمینان سے آہستہ آہستہ چٹان سے اتر رہا تھا۔

”ارے.... بھھھ.... بھاگنے۔“ حمید ہکلایا۔

اب تو فریدی بھی کچھ چکڑا سا گیا تھا۔ لیکن اس بعد تک بھی نہیں کہ حمید کے مشورے پر

عمل کر بیٹھتا۔ وہ حیرت سے آنکھیں بچاڑے اُسے بلندی سے اترتے دیکھتا رہا۔

قاسم بوکھلا کر بر ف پر بیٹھ گیا اور حمید کی حالت سے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ اس کے کانڈھوں پر سوار ہو جائے گا۔

فریدی نے اب فائز کرنا بے کار سمجھا۔ ویسے اس کی رائفل کی میگرین میں ابھی سات کار توں باقی تھے۔

”اگر بھاگے تو موت کو دعوت دو گے۔“ فریدی نے پلٹ کر حمید اور قاسم سے کہا۔

”مم.... موت....!“ قاسم روہانی آواز میں بولا۔

”ہاں! ہم نہیں جانتے کہ بر ف کے نیچے کہاں کیا ہے؟“

”اُسے باپ رے باپ۔“ قاسم نے گھنکھیا کر کلہ پڑھا اور حمید کو چنج موت یاد آگئی۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ پتہ نہیں وہ اپنی خود اعتمادی کو تقویت دے رہا تھا اس نے ان دونوں کا دل بڑھانے کے لئے قہقہہ لگایا تھا۔

بر ف کا بھوٹ چٹان سے اُتر کر نیچے کھڑا ہو گیا۔ وہ ان سے ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر رہا ہو گا۔

فریدی نے پھر رائفل سیدھی کی۔۔۔ فائز ہوا۔۔۔ لیکن وہ بدستور کھڑا رہا۔ یہ بات سوبھی

بھی نہیں جا سکتی تھی کہ فریدی کا ناشانہ خطا کر رہا ہو گا۔

فریدی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ بر ف کا بھوٹ اپنی جگہ پر جم سا گیا تھا۔

اچانک کسی عورت کی چیخ ننانے میں دور تک لہراتی چلی گئی۔ آواز عقب سے آئی تھی۔ فریدی بے ساختہ پلتا۔ حمید اور قاسم بھی اوھر ہی دیکھنے لگے۔ لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ فریدی پھر اس

عجیب و غریب شے کی طرف مڑا اور اس کے منہ سے ایک تحریر آمیز آواز نکلی۔ بر ف کا بھوٹ

غائب ہو چکا تھا۔

”کیا تماشہ ہے۔“ وہ آہستہ سے بڑیا۔ پھر ان دونوں کی طرف مڑ کر بولا۔ ”قاسم تم بڑے

بزہل نکل۔ مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔“

”مگر... وہ... تو...!“ قاسم ہٹا کر رہ گیا۔

”پبلو آگے بڑھو۔“

وہ تینوں لوٹ رہے تھے۔

”مگر وہ آواز کیسی تھی۔ کسی عورت کی جیخ۔“ حمید نے کہا۔

”رہی ہو گی۔“ فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔ ”تم تو اس قابل ہو کہ تمہیں گولی مار دی جائے۔“

”جی ہاں! اور اگر میں بھوتوں سے کشتی لڑنے لگوں تو زندہ رہنے دیا جاؤں گا۔“

”پھر تم نے بھوت کا نام لیا۔“ فریدی بھنا کر بولا۔

”توہہ توہہ۔“ حمید اپنا منہ پیٹھے لگا۔ ”الاحول والاقوۃ! وہ تو میرے دادا جان تھے۔“

”اچھا کہو نہیں۔“

”ارے تو آپ ہی نے کیوں نہیں لپک کر اس سے مصافحہ کیا۔ میں تو پیدا ہی ڈرپوک اور

بزدل ہوں۔“

”اگر وہ بھوت تھا تو قریب کیوں نہیں آیا۔“ فریدی بولا۔

”فریدی صاحب! خدا کے لئے چرہ رہئے۔“ قاسم گھکھایا کر بولا۔

”ورنہ تم دونوں یہوہ ہو جاؤ گے۔ ارے تم نے پہلے کیا سمجھ کر فائزہ کیا تھا۔“

”پتہ نہیں! مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں شائد اس وقت اوکھے رہا تھا۔“ فریدی بس پڑا۔

اُس نے ایک چیناں پر سے تھوڑی سی جگہ کی برف ہٹائی اور بیٹھ گیا۔

”سکیراتس میں گذرے گی۔“ حمید نے پوچھا۔

”خیال تو یہی ہے۔“ فریدی نے جواب دیا۔

”یہ تو نمیک نہیں!“ قاسم بڑا لایا۔

”چلو تھر موس مجھے دو۔“ فریدی نے کہا۔

قاسم نے کافی کا تھر موس کا ندھر سے اٹا دکر فریدی کو دے دیا۔

”برف ہتا کر بیٹھ جاؤ۔ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ ہوا سکن ہے ورنہ ٹھہرنا محال ہو جاتا۔“

”یہاں بیٹھنے سے کیا فائدہ۔“ قاسم نے کہا۔

”یہ نہ بھولو کہ ہم یہاں شکار کھینے آئے ہیں۔“ فریدی بولا۔

”چ کرنے تو آئے نہیں۔“ حمید جھنجلا گیا۔ ”اگر ہم شکار نہ کھیلیں....!“

”بکومت۔“ فریدی نے اسے جملہ نہ پورا کرنے دیا۔ ”میں تمہیں زبردستی نہیں لایا ہوں۔“

”لیکن میں آپ کو زبردستی لے جاؤ گا۔“ حمید نے کہا۔

”فنوں باتوں سے پہ بیز کرو۔“

”مجھے ذاکر نے برف سے پہ بیز بتایا تھا۔“ قاسم بولا۔ ”میں گرمیوں میں بھی برف سے پہ بیز

کرتا ہوں۔“

”تو پھر چلے کیوں آئے۔“

”مجھے نہیں معلوم تھا کہ برف اس طرح گرتی ہے۔“ قاسم گزر گز اکر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ

سانس لینے میں برف کے ذرات پھیپھڑوں میں بھی داخل ہو جاتے ہوں گے۔“

”کھوپڑی میں بھی جاتے ہیں۔“ فریدی نے تھر موس سے کافی اٹھیتے ہوئے کہا۔

”اور عقلِ محمد ہو جاتی ہے۔ سنا ہے تم فرزانہ سے عشق کر رہے ہو۔“

”حمدیہ بھائی! اللہ قسم تم بہت بُرے آدمی ہو۔“ قاسم نے شرما کر کہا۔

”مگر وہ بہت دلیر لڑکی معلوم ہوتی ہے۔“ فریدی بولا۔

”تو میں کب بزدل ہوں۔“ قاسم نے کہا اور پھر سنبھل کر بولا۔ ”ارے ہش! الاحول....

مجھ سے کیا مطلب۔“

حمدیہ کچھ سوچ رہا تھا۔ اُس کے دماغ نے قلابازیاں کھانی شروع کر دی تھیں۔ اس کی سمجھ میں

نہیں آرہا تھا کہ فریدی کو کس طرح یہاں سے لے جائے۔ فعتاً ایک بات اُسے سوچ گئی اور وہ

خوفزدہ آواز میں بولی۔

”لڑکیوں نے بہت بُرا کیا۔ انہیں وہاں سے ہٹ جانے والی تجویز منظور کر لئی چاہئے تھی یہ

تو ہم ابھی دیکھ بھی پچے ہیں کہ اس بھوت پر گولیاں بھی نہیں اٹھ کر تیں۔“

”میرا کیا بگرتا ہے۔ آپ بھگتیں گی۔“ فریدی نے کہا۔

”نہیں.... نہیں.... یہ نہیں ہو سکتا۔“ قاسم مضطربانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ بھی کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ حمید کی تدبیر کا میاب رہی۔ فریدی کو اٹھنا

دوسری صبح وہ دن چڑھے تک سوتے رہے لیکن سب سے پہلے فریدی ہی کی آنکھ کھلی۔ کہ بری طرح دروازہ پیٹھ رہا تھا۔ فریدی نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ یہ نواب رشید الزماں تھے۔

بری طرح گھبرائے ہوئے نظر آرہے تھے۔

”تم نے فرزانہ کو تو نہیں دیکھا۔“ انہوں نے پوچھا۔

”کیوں، کیا بات ہے۔ ہم تو سورہ ہے تھے۔“

”پتہ نہیں وہ کہاں ہے۔ صبح پانچ بجے اٹھ کر باہر نکلی تھی۔ ہم سمجھے شائد صوفیہ کے کمر میں گئی ہو گی۔ لیکن وہ وہاں بھی نہیں ہے۔“

”پانچ بجے کے بعد سے اب خبری ہے آپ نے۔“

”زاہد بھی ابھی ہی بیدار ہوا ہے۔ اس کا کمرہ کھلنے پر معلوم ہوا کہ فرزانہ وہاں نہیں ہے۔ مگر رہا تھا کہ وہ صوفیہ کے ساتھ سورہ ہی ہو گی۔“

”پنج دیکھا آپ نے۔“

”نہیں... ابھی نہیں۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ ڈائینگ ہال میں ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”کرتل صاحب کہاں ہیں۔“

”سورہ ہے ہیں۔ میں نے انہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔“

”قاسم اور حمید بھی بیدار ہو چکے تھے۔ قاسم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نواب رشید الزماں کو گھور رہا تھا۔“

”چلنے پنج دیکھیں۔“ فریدی نے اور کوٹ پہنچتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں بھی تیار ہو گئے۔

”وہ چاروں زینے طے کرتے ہوئے ڈائینگ ہال میں آئے۔“

ڈائینگ ہال میں فرزانہ اور میجر کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ فرزانہ ایک کرسی پر اکٹھی پیٹھی تھی اور میجر اس کے سامنے بڑے مود بانہ انداز میں کھڑا ہوا تھا۔

”میرا نام چلکیز خان ہے۔“ فرزانہ گرج کر بولی۔

”جی ہاں۔“ میجر نے جھک کر کہا۔

”ارے...!“ نواب رشید الزماں حیرت سے منہ پھاڑا ہوئے فریدی کی طرف مڑا۔

فریدی مسکرا رہا تھا۔

میجر نے ان لوگوں کو دیکھ کر وہاں سے پہنچا گا لیکن فرزانہ نے ڈاٹ کر کہا۔
”بادوب... سر قلم کر دیا جائے گا۔“

میجر ان کی طرف دیکھ کر بڑی بے بی سے مسکرا گا۔ نواب رشید الزماں کو شائد غصہ آگیا تھا۔
وہ آگے بڑھ کر بولے۔

”فرزانہ یہ کیا ہو رہا ہے۔“

فرزانہ پہلے انہیں پہنچی پہنچی آنکھوں سے دیکھتی رہی پھر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس نے چیخ کر کہا۔

”کون ہو تم! اس طرح بے ادبی سے ہمارے دربار میں چلے آئے۔ ہمارے پیروں کو بوسہ دو۔“
”کیا ابک رہی ہو لڑکی۔“ نواب صاحب غصے سے کاپنے لگے۔

”اس گستاخ کا سر قلم کر دیا جائے۔“ فرزانہ دونوں ہاتھوں سے میز پیٹھی ہوئی بولی۔
فریدی کی مسکراہست غائب ہو چکی تھی اور اب وہ اُسے بڑی سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ حمید بھی تھیجیر تھا اور قاسم کی حالت تو عجیب تھی۔ کبھی معلوم ہوتا تھا کہ وہ نہیں پڑے گا اور کبھی رو دینے والے انداز میں منہ بنا نے لگتا تھا۔

وہ کیا تھا

اکثر شمشاد کو جگایا گیا اور وہ کسی نہ کسی طرح سے فرزانہ کو اوپر لے گیا۔ ان کے ساتھ نواب صاحب، حمید اور قاسم بھی چل گئے لیکن فریدی پنج بجے رہا۔

”کیا بات تھی۔“ اس نے میجر کو مخاطب کیا۔

”جناب والا میں خود بھی نہ سمجھ سکا۔ آپ لوگوں کے آنے سے قبل میں پہنچ رہا تھا کہ صاحبزادی شائد مذاق فرمائی ہیں۔“

”یہاں کتنی دیرے تھی۔“

”آپ کے آنے سے شائد دس منٹ قبل تشریف لائی تھیں۔“

”اوپر ہی سے آئی تھی۔“

”اس پر میں نے غور نہیں کیا۔“ فیجر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”کیا ان پر کسی قسم کے دورے پڑتے ہیں۔“

”شائد۔“ فریدی آہستہ سے بولا اور کچھ سوچنے لگا۔

”ڈاکٹر کو بلااؤ۔“ فیجر نے کہا۔

”ڈراٹھر ہریے۔“ فریدی نے کہا اور اپری منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

سب لوگ کرٹل شمشاد کے کمرے میں اکٹھا تھا۔ فرزانہ اب بھی ایک کرسی پر اکٹھی بیٹھی اپنے گرد کھڑے ہوئے لوگوں کو گھوڑ رہی تھی۔

”تم کون ہو۔“ اُس نے قاسم سے گرج کر پوچھا۔

”م..... میں..... قاسم ہوں..... جی ہاں۔“

”ہم تمہیں اپنا میرٹکر بنائیں گے۔“ فرزانہ بولی۔ ”ان سب کو دھکے دے کر یہاں سے نکال دو۔“

”فرزانہ کیا بک رہی ہو۔“ کرٹل شمشاد جینا۔

”اس بوڑھے کی گردن تو زدی جائے۔“ فرزانہ دانت پیس کر بولی۔ ”تقلیل ہو۔“ اُس نے یہ بات قاسم کو مخاطب کر کے کہی تھی۔ قاسم بوكھلانے ہوئے انداز میں کرٹل شمشاد کی طرف دیکھنے لگا۔

”آپ لوگ باہر چلتے۔“ حمید نے غزال، شہناز اور صوفیہ کو مخاطب کر کے کہا۔

”وہ تینوں باہر نکل آئیں، حمید بھی ان کے پیچھے تھا۔“

”آخر یہ اسے ہوا کیا۔“ غزال خوفزدہ لہجے میں بولی۔

”میرا خیال ہے کہ وہ کسی قسم کا دورہ ہے۔“ حمید نے کہا۔

”دورہ! مگر میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں پڑا۔“

”یہ آپ کس طرح کہہ سکتی ہیں۔“

”ہم دونوں بہت عرصے سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔“ غزالہ نے کہا۔

”اچھا آپ لوگ اپنے کروں میں جائیے! حمید نے کہا اور انہیں وہیں کھڑا چھوڑ کر پھر کرٹل کے کمرے میں چلا گیا۔“

کرٹل فرزانہ کے ہاتھ اور پیر باندھ رہا تھا اور وہ بُری طرح چیز رہی تھی۔

فریدی نے فیجر کو ڈاکٹر کے لئے فون کیا۔

”مجھے چھوڑ دو۔“ فرزانہ چیز رہی تھی۔ ”سالار اعظم کیا دیکھتے ہو۔ تمہارے سامنے مابدوٰل کی توہین ہو رہی ہے۔“

سالار اعظم بے چارہ دم بخود کھڑا طرح طرح کے منہ بنارہا تھا۔

”میرے خیال سے انہیں یہاں تمہارے نیچے دیا جائے۔“ فریدی نے کرٹل شمشاد سے کہا۔ ”جیسا بہتر سمجھتے!“ کرٹل شمشاد بولا۔ ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہو گیا۔“

وہ سب کمرے سے نکل آئے اور اسے باہر سے مقفل کر دیا گیا۔

”کیا اس قسم کے دورے بہت دونوں سے پڑتے ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جی نہیں! کبھی نہیں۔ میں کیا کروں۔“ کرٹل شمشاد مضطرباتہ انداز میں بولا۔

”تعجب ہے۔“ فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔

فرزانہ اندر چیز رہی تھی۔

قاسم حمید کو اپنے کمرے کی طرف کھینچ رہا تھا۔ حمید سمجھا شائد وہ اس سلسلے میں اسے کوئی بہت ہی اہم بات بتانا چاہتا تھا۔ کمرے میں بیچنے کر حمید اسے سوالیہ نظر وہ اس سلسلے میں اسے دیکھنے لگا۔

”حمد بھائی بہت بڑا ہوں۔“ قاسم نے اپنے خلک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

”ہوں۔“

”مجھے اُس پر گولی نہ چلانی چاہئے تھی۔“

”کیوں؟“

”اوہو.... اب کیا بتاؤں.... بس نہ چلانی چاہئے تھی۔“

”آخر کیوں.... کوئی وجہ۔“

”اُس بھوت نے اب فرزانہ کو جکڑ لیا ہے۔“

”فرزانہ ہی کو کیوں جکڑا ہے۔“

”اب کیا بتاؤں۔“ قاسم فکر مبتذلہ میں بولا۔ ”ایک واقعی یاد آ رہا ہے۔ ایک بار ایک صاحب

نے ایک بھوت کو چھیڑ دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ان کی بیوی پر آگیا۔“

”ہوش میں ہو یا نہیں۔“ حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

”اوہ...! شکریہ۔“ حمید بڑے بے تکلفی سے کری گھیٹ کر پیٹھتا ہوا بولا۔ ”بعض اوقات اپنی غیر دانس مندانہ حرکتیں وباں جان ہو جاتی ہیں۔“

”کیوں! خیریت۔“ بھاری بچہ رے والے نے پوچھا۔
”ہمارے ساتھ کی ایک خاتون پر کسی قسم کا درودہ پڑ گیا ہے۔“

”اب کیا حال ہے۔ ابھی مجھے نیجر سے معلوم ہوا تھا۔“
”کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔“

شکاری چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

”میرے خیال سے سردی... آپ لوگوں نے واقعی غلطی کی خواتین کو ہرگز نہ لانا چاہئے تھا۔“
”کہنے کل رات کاشکار کیسار ہا۔“ حمید نے پوچھا۔

”کچھ نہیں ملا۔ کل ہم نے دوسری طرف قسم آزمائی تھی۔ اگر میرے ساتھ چار آدمی بھی اور ہوتے تو میں سیتیں گھٹائی کو کبھی نہ چھوڑتا۔“

”اگر ہم اور آپ تعاون کر لیں تو...!“ حمید نے کہا۔

”اوہ... تب تو... تب تو گروی کو اپنی ولادت کا صحیح وقت بھی یاد آسکتا ہے، مگر اس میں ایک دشواری ہے۔“

”وہ کیا؟“

”آپ لوگ یہاں اجنبی ہیں۔ پتہ نہیں وہ کب اور کہاں آپ کو گھیر لیں۔“

دفعتاً حمید کو محسوس ہوا کہ اس نے ایک بہت ہی لایعنی سی بات چھیڑ دی ہے۔ ظاہر ہے کہ فریدی نے ایسے موقعے پر انہیں چیک کرنے کے لئے کہا تھا جس کا تعلق شکار سے قطعی نہیں تھا لیکن اب اسے الجھن ہونے لگی تھی کہ آخر وہ انہیں کس طرح چیک کر لے۔ پتہ نہیں فریدی کے ذہن میں کیا تھا۔

حمید نے ایک آدمی کو ڈائینگ ہال میں داخل ہوتے دیکھا، جو ضع قطع سے ڈاکٹر معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک بینڈ بیگ لشکار کھاتھا۔

”ڈاکٹر صاحب آگئے۔“ نیجر نے کاؤنٹر سے حمید کو مخاطب کیا۔

”اچھا تو اجازت دیجئے۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔

”کیوں خفا کیوں ہوتے ہو حمید بھائی۔“

”لیا فرزانہ تمہاری بیوی ہے۔“

”نہ... نہیں... مگر... وہ عشق۔“

”آخا! تو یہ کہنے چونکہ آپ اس سے عشق کرنے کا رادہ رکھتے ہیں اس لئے وہ اس پر آگیا۔“

”یہی... یہی بات ہے حمید بھائی۔“ قاسم خوش ہو کر بولا۔

”اچھی بات ہے... میں ذرا کر قل صاحب کو مطلع کر دوں۔“

”ارے... ارے... یعنی کہ...!“

”میں اُن سے صرف یہ کہوں گا کہ فرزانہ کی موجودہ حالت کا ذمہ دار قاسم ہے۔“ حمید نے بھیج دی گئی سے کہا۔ ”بقیہ تم خود کہہ سن لینا۔“

حمدید روازے کی طرف بڑھا لیکن قاسم نے لپک کر اس کی کمر پکڑ لی۔

”یہ کیا؟“

”ارے تو کیا یقین چج۔“ قاسم جھنجھلا گیا۔

قاسم نے حمید کو چھوڑ دیا کیونکہ فریدی اُسے آواز دے رہا تھا۔ لیکن حمید کے ساتھ وہ بھی باہر نکل آیا۔

”شکاریوں کو چیک کرو۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

”کیوں؟“

”پھر پوچھنا۔“ فریدی نے کہا اور کر قل شمشاد کے کرے کی طرف چلا گیا۔

”لیا معاملہ ہے۔“ قاسم نے حمید سے پوچھا۔

”کچھ نہیں! جاؤ اندر بیٹھو۔“ حمید نے کہا اور ڈائینگ ہال میں جانے کے لئے میرھیاں تھے۔

نکلنے لگا۔

تمیوں شکاری ڈائینگ ہال میں ناشتا کر رہے تھے۔ رانکلیں اس وقت بھی اُن کے کانڈ ہوں سے لٹک رہی تھیں۔ بھاری بچہ رے والے نے حمید کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنے سر کو خفیہ سی جیبٹش دی۔

”آئیے!“ اُن میں سے ایک نے حمید کو دعوت دی۔

ڈاکٹر کرٹل شمشاد کے کمرے کی طرف چلا گیا اور حمید فریدی کو تلاش کرنے لگا جو ان پاروں کروں میں سے کسی میں بھی نہیں تھا۔ اُس نے اس کے متعلق سب پوچھا لیکن کسی کو اس کا علم نہیں تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر وہ باہر جاتا تو اُسے ڈائینگ ہال سے ضرور گزرن پڑتا۔ پھر آخر دہ کہاں گیا۔ کیا فرزانہ کے سلسلے میں اُس نے کوئی اہم بات دریافت کی ہے۔

آخر کار تھوڑی سی تلاش کے بعد وہ اُسے ایک غسل خانے میں مل گیا۔
”ڈاکٹر آگے ہے۔“ حمید نے اُسے اطلاع دی۔

”ہوں....!“ فریدی مزکر بولا۔ ”تم نے شکاریوں کو چیک کیا۔“
”وہ تینوں ڈائینگ ہال میں موجود ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”رات کہاں تھے؟“

”باہر.... لیکن سیتل گھائی کے علاوہ کہیں اور تھے۔“

”یہاں کس وقت آئے۔“

”پہ نہیں۔“ حمید نے کہا۔

”یہ آپ نے کیا چک کیا ہے۔“ فریدی نہ اسامنہ بنا کر بولا۔ ”تھوڑی دیر خاموشی زہی پھر فریدی نے کہا۔ ”فرزانہ یہاں اسی غسل خانے میں آئی تھی۔“
”ضرور آئی ہوگی۔“ حمید بے دلی سے بولا۔

”اور اُسے جو کچھ بھی ہوا تھیں ہوں۔“

”حمد کچھ نہ بولا اُس کی طبیعت اتنا گئی تھی۔ یہاں آیا تھا تفریق کی غرض سے مگر ایک کیس سر پر سوار ہو گیا۔
وہ غسل خانے سے نکل آئے۔ کرٹل شمشاد کے کمرے کے سامنے نواب رشید الزماں وغیرہ

کھڑے سر گوشیاں کر رہے تھے۔ شاکنڈ ڈاکٹر اور کرٹل شمشاد اندھرے تھے۔ فرزانہ کی چھین بھی اب نہیں سنائی دیتی تھیں۔

”یہوش ہو گئی ہے۔“ نواب صاحب فریدی کو دیکھ کر بربارا۔
”ڈاکٹر کیا کہتا ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ابھی تو کچھ نہیں معلوم ہوا..... دیکھ رہا ہے۔“

”میں مجرم نصرت کو فون کرنے جا رہا ہوں۔ عورتوں کا یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں ہے۔“

”کیوں.... کیا بات ہے۔“ نواب رشید الزماں گھبرا کر بولے۔

”کوئی بات نہیں۔ ویسے ہی کہہ رہا ہوں ان سے کہنے کے ضد اچھی نہیں ہوتی۔“

غزالہ قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔

”آپ خود نہیں کہہ سکتے۔“ اُس نے کہا۔

”نہیں! اگر میرا کہنا شہ ماٹا گیا تو مجھے غصہ آجائے گا۔“

غزالہ ہو نٹوں ہی ہو نٹوں میں کچھ بڑا کر رہ گئی۔ نواب رشید الزماں کمرے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے کیونکہ ڈاکٹر باہر آ رہا تھا۔

ڈاکٹری رپورٹ تو دوسروں کے لئے بڑی مہم تھی۔ لیکن فریدی اس پر اس طرح چونکا ہوا ہے وہ انہیں امکانات پر غور کرتا رہا۔ ڈاکٹر نے دورے کی وجہ اعصابی نظام میں خلل بتائی تھی۔ لیکن خلل کی وجہ خود اس کی سمجھ میں بھی نہیں آسکی تھی۔ اُس نے یہوشی کے تدارک کے لئے انگشن دیا تھا لیکن اس کی ذمہ داری نہیں لی تھی کہ ہوش میں آنے کے بعد اُس کی ذہنی حالت اعتدال پر آ جائے گی۔

فریدی ایک نئی بھجن میں بٹلا ہو گیا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ہوٹل ہی میں ٹھہرے یا سیتل گھائی کی طرف جائے۔ اُس نے پچھلی رات ہی کو تہبیہ کر لیا تھا کہ دن کو وہاں کے ان مقامات کا جائزہ ضرور لے گا جہاں وہ بہتر اسرار سے نظر آئی تھی۔

اُس نے مجرم نصرت کو فون کیا لیکن اُس وقت وہ نہ تو آفس میں موجود تھا اور نہ گھر پر۔ بہر حال وہ شدت سے اس بات کی ضرورت محسوس کر رہا تھا کہ عورتوں کو ٹھہر پہنچانا جائے۔

کرٹل شمشاد کی گھبراہٹ لمحے بے لحظ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ ابھی تک فرزانہ کو ہوش نہیں آیا تھا۔ ڈاکٹر جا چکا تھا۔ لیکن اُس نے تاکید کر دی تھی کہ ہوش آنے پر اُسے فوراً مطلع کیا جائے۔

قاسم کی پارٹی کے سارے افراد کرٹل کے کمرے میں موجود تھے۔ دفعتاً حمید کو قاسم کا خیال آیا اور اُس کی عدم موجودگی اُسے بڑی عجیب لگی۔ اُس نے فریدی سے اُس کے متعلق پوچھا بھی لیکن اُس نے لا علیٰ ظاہر کی۔

حمید اپنے کمرے کی طرف آیا۔ قاسم وہاں بھی نہیں تھا۔ البتہ حمید نے یہ بات ضرور محسوس کیا تھا۔

کی کہ قاسم کی پوتیں اور رائفل بھی موجود نہیں ہے۔

ہاں سے وہ سید حافظہ اسٹینگ ہاں میں آیا اور پھر نجمر سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ قاسم کچھ دیر قبل ادھر سے گزر کر باہر گیا تھا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اس کے پاس رائفل بھی تھی۔ حمید نے اُن تیوں شکاریوں کے متعلق پوچھا۔

”وہ اپنے کروں میں ہوں گے۔“ فتح نے کہا۔

اور پھر اُس کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔ تیوں شکاری اپنے کروں میں موجود تھے۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر قاسم کہاں گیا۔

اُس نے اس کی اطلاع فریدی کو دی۔

”سیاواہ اس سے پہلے بھی سیکم گڈھ آچکا ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”کبھی نہیں۔“ حمید نے جواب دیا۔

”عیوب الحق آدمی ہے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کہیں وہ سیتل گھائی کی طرف نہ چلا گیا ہو۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ فرزان کو ہوش آگیا ہے اور وہ اب بالکل ٹھیک ہے۔ اُسے قطعی نہیں یاد کہ اُس پر دورہ بھی پڑا تھا۔ وہ بھی سمجھ رہی ہے کہ ابھی سوکرا ٹھیک ہے۔“

”کوئی ذہنی مرض۔“

”پتہ نہیں.... چلو جلدی کرو۔ کہیں وہ تمہارا ڈیوٹ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائے ویسے یہاں کوئی بہت خطرناک کھیل کھیلا جا رہا ہے۔“

قاسم کی چیز

حمدید اور فریدی سیتل گھائی کے لئے روان ہو گئے۔ راستوں کی برفتگی کی تھی البتہ کہیں کہیں گز ہوں اور چنانوں کی درازوں میں اب بھی نظر آرہی تھی۔ راست صاف ہونے کی وجہ سے وہ خاصی تیز رفتاری سے چل رہے تھے۔ اُن کے خیال کے مطابق قاسم اگر سیتل گھائی کی ہی طرف گیا تھا تو انہیں موقع تھی کہ وہ اسے کہیں نہ کہیں رانے ہی میں پا لیں گے۔

”تو پھر آپ نے عورتوں کے متعلق کیا سوچا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”میجر نصرت کو فون تو کیا تھا۔ لیکن وہ تھاں نہیں۔ کچھ بھی میں نہیں آتا۔“

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید بولا۔

”یہ بھوتوں والا معاملہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر ان شکاریوں کے بیان کے مطابق وہ اُن کی مخالف پارٹی ہی کا کوئی شعبدہ ہے تو پھر وہ اسی سیزن میں کیوں نظر آیا۔“

”ہو سکتا ہے کہ پچھلے سیزن میں انہوں نے کوئی اور حرکت کی ہو۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن ہوٹل کی لڑکی کے اخواہ کو کس خانے میں فٹ کیا جائے۔“

”یہی دیکھنا ہے۔“

”دوسری بات یہ کہ آپ فرزانہ والے معاملے میں مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ میں اس دورے کو مرغی نہیں سمجھتا۔“

”آخر کیوں؟“

”اس کی بھی وجہ ہے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اس قسم کے دورے فی نفسہ مرض

نہیں ہوتے بلکہ کوئی مرض رفتہ بڑھ کر دورے کی وجہ بنتا ہے۔ لیکن یہاں معاملہ قطعی مختلف

ہے۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ اعصابی نظام میں اچانک کوئی خلل واقع ہوا ہے اور پھر وہ ہوش آنے پر

قطعی صحیح الدلائی ثابت ہوئی ہے۔ اب سنو! یہ اچانک قسم کے خلل و طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو

وہ جو خود اعصابی نظام ہی کے کسی رد عمل کی بناء پر واقع ہوتا ہے مثلاً کسی صدمے کی وجہ سے

اعصابی نظام میں اچانک کوئی تبدلی پیدا ہو کر خلل بن جائے دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی دوایا

زہر اس کا باعث ہو۔ پہلی صورت عموماً مستقل ہوتی ہے یعنی وہ خلل مستقل طور پر قائم رہ سکتا

ہے۔ لیکن دوسری صورت میں خلل دیر پا نہیں ہوتا مثال کے طور پر شراب کے استعمال کو لے

لو۔ جب تک شراب کا اثر اعصاب پر رہتا ہے آدمی حواس میں نہیں رہتا لیکن اثر زائل ہوتے ہی

اس کی ذہنی حالت اعتدال پر آ جاتی ہے۔ فرزانہ کا دوبارہ ہوش میں آجانا ثابت کرتا ہے کہ اس

نے کوئی ایسی چیز استعمال کی تھی جس نے تھوڑی دیر کے لئے اس کا دماغ الٹ دیا۔“

”استعمال کی تھی۔“ حمید چونک کربولا۔ ”یعنی.... آپ کا مطلب ہے....“

”میرا مطلب صرف اتنا ہے کہ وہ کوئی دماغ الٹ دینے والی چیز تھی۔“ ہو سکتا ہے کہ اُس نے

ناد انگلکی میں اسے استعمال کیا ہو۔

حید پکھنے بولا۔ فریدی کی بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ لیکن مقصد سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ فرزانہ پر تو تھی نہیں کہ سوچے سمجھے بغیر ایسی کوئی پیز استعمال کر بیٹھتی۔

وہ دونوں خاموشی سے راستہ طے کر رہے تھے۔

سیل گھائی سنان پری تھی، چونکہ پچھلی رات کو مزید برف باری نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے صرف نشیب ہی کی زمین میں تھوڑی بہت برف نظر آ رہی تھی یا پھر چنانوں کے رخنے برف سے پر تھے۔ وہ دونوں چنانوں کا سلسلہ پار کر کے دوسری طرف پہنچے اور پھر انہوں نے قاسم کی آواز سنی، جو عربی میں کچھ پڑھ رہا تھا۔

اس کی پشت ان کی طرف تھی اور وہ ایک چنان پر پیر لکائے بیٹھا تھا۔ فریدی نہیں پڑا۔ لیکن قاسم اتنا محو تھا کہ شاید اس نے اس کی آواز نہیں سنی۔

”یہ کیا پڑھ رہا ہے۔“ حید نے پوچھا۔

”درود تاج۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”بھوتوں کو بھگانے کے لئے۔“

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے اُس کے پیچے پیچے گئے۔ قاسم کو بترنک نہ ہوئی۔ شاید اس نے آنکھیں بھی بند کر کی تھیں اور جھوم جھوم کر درود تاج پڑھ رہا تھا۔

حید نے اس کے کانہ سے پرہاتھ مارا۔ اور پھر۔۔۔ دفتار قاسم درود تاج بھول گیا اور اس کے منہ سے خوف زدہ سی آوازیں نکلنے لگیں۔ سر شانوں میں گھساجا رہا تھا۔ اس نے پیچے پلٹ کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ کی۔

فریدی اور حید نہیں پڑے۔

”ارے....!“ قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا اور پھر اس نے بھی احمدوں کی طرح ہنسنا شروع کر دیا۔

”یہ کیا ہو رہا تھا۔“ حید نے پوچھا۔

”سب نہیک ہو گیا۔“ قاسم سر ہلا کر بولا۔ ”میں نے یہ سر زمین بھوتوں سے صاف کر دی۔“

”خوف....!“ فریدی مسکرا کر بولا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔

”حید بھائی! ان کا کیا حال ہے۔“ قاسم نے سر جھکا کر شرماتے ہوئے پوچھا۔

”سب نہیک ہے۔ اب وہ تمہیں سالازا عظیم بنانے کی بجائے متنبی کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔“

قاسم کچھ نہ بولا۔

”حید....!“ فریدی نے اسے مخاطب کیا۔ ”وہ دراڑ کیا ہو گئی جہاں وہ پچھلی رات کو غائب ہوا تھا۔“

”اوہ.... واقعی.... اوہ ہر ہی تو تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے.... اور گول چٹاں.... لیکن دراڑ کیا ہو گئی۔“

”میں نے سب کچھ غائب کر دیا۔“ قاسم نے قہقہہ لگایا۔ ”مجھے سغلی عمل بھی آتے ہیں۔ لیکن میں نے صرف علوی سے کام لیا ہے۔ میں نے ان بھوتوں کو جلا دیا۔“

”آؤڑا دیکھیں تو۔“ فریدی نے حید سے کہا۔

”وز آسمان کی طرف بھی دیکھتے رہتے گا۔ میرا خیال ہے کہ برف باری ضرور ہو گی۔“

”اوہ چلو!“ فریدی نے کہا۔ ”میں یہاں کے بہتیرے اچھے قسم کے غاروں سے واقف ہوں۔ جہاں ہم پناہ لے سکیں گے۔ کرنل ڈسکن سا والے کیس نے مجھے ٹیکم گذھ کے پیچے پیچے سے واقف کر دیا تھا۔“

”سب بے کار ہے۔“ قاسم نے بڑی خود اعتمادی سے کہا۔

”نہیک کہتے ہو۔ چلو آگے بڑھو۔“ فریدی نے اسے دھکیلتے ہوئے کہا۔

کافی دیر تک چھان بین کرتے رہنے کے باوجود بھی اس دراڑ کا پتہ نہ چلا جہاں وہ پہلا بھوت غائب ہوا تھا۔ پھر وہ اس چنان پر آئے جہاں پر انہوں نے دوسرا بھوت دیکھا تھا لیکن یہاں بھی انہیں کوئی بات نہ معلوم ہو گئی۔

”حید صاحب! اب میں بڑے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہمیں ہوٹل میں روکے رکھنے کے لئے فرزانہ پر کوئی دو آزمائی گئی تھی۔“ فریدی نے کہا۔

”میوں؟“

”میں نے غسل خانے میں انجکشن گانے کی ایک باریک سی سوئی پائی تھی۔“

”تو کیا.... انجکشن....!“

”میرا خیال ہی ہے۔ ورنہ غسل خانے میں انجکشن کی سوئی کا کیا کام اور پھر اگر وہ کچھ دن

پہلے کی ہوتی تو پیر دل کے نیچے دب دب کر اُس کی رنگت بگزگئی ہوتی۔

”کیا فرزانہ نے ہوش میں آنے کے بعد انجکشن کا تذکرہ کیا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”میں اتنی دیر تک ٹھہر اہی نہیں کہ اسے معلوم کرتا۔“

”فریدی صاحب۔“ قاسم بڑے سعادت مندانہ لمحے میں بولا۔ ”یقین کیجئے کہ میں نے سب ٹھیک کر دیا ہے۔ اگر پھر کوئی گڑبرد ہوتی تو آپ پر ایک جلالی عمل کروں گا۔“

”اچھا... اچھا...!“ فریدی پس کر بولا۔

حمدی نے آسمان کی طرف دیکھا اور اس کے دیوار کوچ کر گئے۔ پورا آسمان بادلوں سے ڈھک گیا تھا۔

”اب نکل ہی چلئے تو بہتر ہے۔“ اس نے کہا۔ ”برف باری ہونے ہی والی ہے۔“

فریدی جواب بھی نہ دینے پایا تھا کہ فضائیں باریک سفید ذرات اڑانے لگے۔

”اوہ... یہ تو آہی گئی۔“ فریدی بڑا بڑا۔ ”آؤ میرے ساتھ۔“

وہ تیزی سے ایک طرف چلنے لگے۔ فریدی ان کے آگے تھا۔

”قاسم سنجل کر۔“ فریدی نے کہا۔

”ٹھیک ہے... چلتے رہئے۔“

وہ دو چنانوں کی ایک درمیانی دراز میں گھسے۔ برف تیزی سے گرنے لگی تھی اور خلاء میں سفیدی کے علاوہ اور کچھ نہیں دکھائی دے رہا تھا۔

”چلو اندر چلو۔“ فریدی نے ایک غار کے دہانے کی طرف اشارہ کیا۔

لیکن پھر اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روک دیا۔ اس کی وجہ حمید کی بھی سمجھ میں آگئی تھی۔ غار کے دہانے سے کچھ ایسی خوشبو آرہی تھی جیسے اندر گوشت بھونا چاہرہ ہو۔

حالانکہ دراز کا دہانہ اور سے تھک تھا۔ لیکن پھر بھی برف کے ذرات ان پر گر رہے تھے۔

”کوئی اندر ہے؟“ حمید نے سر گوشی کی۔

”چلو! ممکن ہے شکاریوں میں سے کوئی ہو۔“ فریدی نے کہا اور غار کے دہانے میں اتر گیا۔

قاسم اور حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔

اندر دھنلی دھنلی سی روشنی تھی۔ ایک جگہ آگ جل رہی تھی۔ جس کے قریب دو آونی

بیٹھے کوئی پرندہ بھون رہے تھے۔ ان کے غار میں داخل ہونے پر ان میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے یہ ان کے لئے کوئی غیر متوقع بات نہ رہی ہو۔ ان میں سے ایک نے انہیں مخاطب کر کے کچھ کہا لیکن جواب نہ پا کر اس نے انہیں غور سے دیکھا اور پھر اچانک اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے اپر گنگ پر بیٹھا رہا ہو۔ اس کا ساتھی بھی کھڑا ہو گیا۔

”مجھے افسوس ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”برف باری کی وجہ سے ہمیں یہاں پناہ لینی پڑی۔“ ان لوگوں کے چہروں پر روشنی صاف نہیں پڑ رہی تھی اس لئے وہ انہیں گھورتا ہوا ان کے قریب آگئا۔ فریدی اور حمید پر سے نظریں ہٹا کر اُس نے قاسم کو نیچے سے اوپر تک دیکھا۔ پھر اس نے اپنے ساتھی کو مخاطب کر کے کہا۔ ”تم تو کہتے تھے کہ وہ صرف تین ہیں۔ اس کا ساتھی بھی آگ کے پاس سے ہٹ کر اُن کے قریب آگئا۔“

”لیکن یہ لوگ...!“ دوسرا کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”ہم لوگ یہاں اجنبی ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس کی نظریں ایک آدمی پر جمی ہوئی تھیں جو کافی تویی الجیش اور لاپرواہ نظر آ رہا تھا۔ پھر اس کی نظریں ان دور انفلوں پر پڑیں جو ایک پھر سے بھی ہوئی تھیں۔“

”شکاری...؟“ پہلے نے پوچھا۔

”جی ہاں۔“ فریدی بولا۔

”کس ٹولی سے تعلق ہے۔“

”ہم پیشہ دشکاری نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”تفیر یا چلے آئے ہیں۔“

”اوہ! قیام کہاں ہے؟“

”فزارو میں...!“

پہلے نے دوسرے کی طرف معنی خیز نظریوں سے دیکھا اس کے بعد وہ پھر قاسم کو گھوڑے لگا۔ ”کیا... آپ لوگ وہی تو نہیں جنہوں نے بچپنی رات ان خبیثوں پر گولیاں چلانی تھیں۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ فریدی نے اپنے چہرے پر استغما پیدا کر کے کہا۔

”کل رات آپ لوگ یہاں آئے تھے۔“ اس نے پوچھا۔

”نہیں تو۔“

”آپ کو کس نے بتایا کہ شکاریہاں ملے گا۔“
 ”اوہ....“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا ”کل فزارو میں تین شکاریوں سے ملاقات ہوئی تھی۔
 انہوں نے ہمیں بتایا کہ شکار صرف سیل گھٹائی میں ملتا ہے۔“
 ”تین شکاری۔“ پہلا دانت پیس کر بڑبڑا۔
 ”کیوں؟ کیا انہوں نے ہمیں غلط مشورہ دیا تھا۔“ فریدی نے بڑی سادگی سے پوچھا۔
 ”اوہ.... نہیں تو.... یہاں واقعی بہت شکار ہے۔“
 ”تب تو بہت اچھا ہے۔“ فریدی ایک پتھر کے لکڑے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ پھر اس نے حمید اور
 قاسم کو بھی بیٹھنے کو کہا۔

دونوں اجنبی بھی بڑے بے تعلقانہ انداز میں آگ کے قریب جائیں۔
 ”اگر سر دی زیادہ لگ رہی ہو تو یہاں آجائے۔“ ان میں سے ایک نے تھوڑی دیر بعد کہا۔
 ”بھی شکریہ! ہم بالکل ٹھیک ہیں۔“ فریدی بولا۔
 حمید سوچ رہا تھا کہ شاکر و دونوں گروہی کی پارٹی کے آدمی ہیں۔ وہ تجسس آمیز نظر وں سے
 غار کا جائزہ لیتا رہا۔

”آپ لوگوں کا شکار کیسا رہا۔“ دفتار فریدی نے پوچھا۔
 ”یہ بیزان ابھی تک براخواب رہا ہے۔“ ان میں سے ایک بولا۔ ”شاکر برف تیزی سے گر
 رہی ہے۔ دیکھنا چاہئے ورنہ ممکن ہے کہ غار کا دہانہ ہی بند ہو جائے۔“
 ”بات تو ٹھیک ہے۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔
 ”ٹھہریے! ہم دیکھتے ہیں۔“ ایک نے کہا اور اسی کے ساتھ دوسرا بھی اٹھ گیا۔
 ”ہم بھی چلتے ہیں۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

”ان کے اٹھتے اٹھتے ہی وہ دونوں غار کے دہانے سے نکل گئے لیکن حمید نے محسوس کیا کہ وہ
 غار کے دہانے کے قریب گزی ہوئی برف کو دوسرا طرف سر کانے کی بجائے دراز کے دہانے کی
 طرف کھسکا رہے تھے۔ وہ دوبارہ غار کے دہانے کی طرف لوٹے اور بہت سی برف اپنے بلچوں کے
 ذریعے گھسیت لے گئے۔ یہ سلسلہ جاری رہا اور وہ تینوں مطمئن ہو کر اندر بیٹھے رہے۔ پتھر پر
 بلچوں کی رگڑ سے پیدا ہونے والی آواز جاری تھی۔

فریدی وغیرہ نے اٹھ کر کیمپنے کی بھی زحمت گوارانہ کی۔ بس بیٹھے چلنے کی آوازیں سنترہے
 اور پھر شکار کی باتیں چھڑ گئیں۔ دفتار فریدی تھوڑی دیر بعد چونکا۔
 ”اوہ.... ہمیں بھی ان کی مدد کرنی چاہئے۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔
 دہانے کے باہر چنانوں پر بیٹھے چلنے معلوم ہو رہے تھے۔ وہ باہر نکل آئے اور قاسم بے سانتہ
 ہنس پڑا۔ بھی حمید کو بھی آئی۔ لیکن میساختہ قسم کی نہیں تھی۔ فریدی نے البتہ بہت بُر امنہ بتایا تھا۔
 کچھ دور پر ان کے سامنے ہی ایک خارش زدہ لومڑی پڑی تھی اور ایک بیٹھے اس کے پیروں
 سے بندھا ہوا تھا۔ وہ آزاد ہونے کے لئے اپنے جنم کو جبکش دے رہی تھی اور بیٹھے ایک پتھر سے
 رگڑ کھا کر آوازیں پیدا کر رہا تھا۔
 ”دیکھا تم۔“ فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔ ”کم بجنت اس طرح ہمیں دھوکا دے کر نکل گئے۔“
 ”مگر جائیں گے کہاں؟“ حمید بولا۔ ”برفتگی گھری گر رہی ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ نہیں بھجاں دیتا۔“
 فریدی دوڑتا ہوا دراز کے دہانے تک گیا اور پنڈ لمحے رک کر پھر پلٹ آیا۔
 ”کسی طرف نکل گئے۔“ خیر قاسم تم تینیں ٹھہرو۔ ہوشیار رہنا اور حمید تم میرے ساتھ آؤ۔“
 قاسم کو دراز کے دہانے پر چھوڑ کر فریدی اور حمید دوبارہ غار میں داخل ہوئے۔
 ”اپنا سارا اسماں بھی چھوڑ گئے۔“ فریدی نے ان کی رانکلوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 اور پھر اچانک ایک دوسری چیز نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔ یہ کسی عورت کا
 شب خوابی کا لبادہ تھا۔ اس نے لپک کر اسے اٹھا لیا اور پھر اسے اس پر کئی جگہ خون کے دھبے بھی
 دکھائی دیئے۔
 دفتار قاسم کی خوفناک جیخ سے پوری درازگوں خاٹھی۔

آنکھ کھلی تو

حمد اچھل کر باہر بھاگا۔ قاسم دراز کے دہانے کے قریب زمین پر اکڑوں بیٹھا گھنٹوں میں منہ
 دیئے ہوئے درود تاج پڑھ رہا تھا۔
 ”کیا بات ہے؟“ حمید نے پوچھا۔

”ہپ... حمید... بھائی... بھھھ...!“
 ”کھڑنے ہو جاؤ۔“ فریدی نے تھماں لجھ میں کہا۔
 قاسم نے دونوں ہاتھوں سے اپنی کردبائی اور بوڑھوں کی طرح کرہ کر کھڑا ہو گیا۔
 ”کیا بات تھی؟“ فریدی نے پوچھا۔
 ”توئی کسر رہ گئی۔ اب میں سفلی عمل کروں گا۔“ قاسم بولا۔
 ”لیا کب رہے ہو۔“

”اللہ قسم ابھی ابھی ادھر سے گرا ہے۔“ قاسم نے دراڑ کے دہانے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
 ”کون...؟“
 ”وہی رات والا بھوت۔“

فریدی دراڑ کے باہر دیکھنے لگا لیکن برف باری کی زیادتی کی وجہ سے دراڑ کے دہانے پر سفید رنگ کا
 ایک پردہ ساہلتا نظر آرہا تھا اور اس پار کی کی چیز کی دھنڈی سی بھلک بھی نہیں دکھائی دیتی تھی۔
 ”یہاں دیکھا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”یہاں... بالکل دراڑ سے لگ کر لکھا تھا۔“ قاسم نے کہا۔
 ”تمہیں دھوکا ہوا ہوگا۔“

”دھوکا... نہیں اللہ قسم۔“
 ”تو اس نری طرح چیخنے کی کیا ضرورت تھی۔“ حمید نے کہا۔
 ”حید بھائی... بھوت تھا۔“

”ختم کرو بے کار باتیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”حید تم اس سرے پر بھردا اور قاسم تم اپنی جگہ پر
 رہو گے۔“

”اور آپ...!“ قاسم بولا۔
 ”ابھی بتاتا ہوں۔“ فریدی نے کہا اور پھر غار میں اتر گیا۔ حمید اور قاسم دراڑ کے دونوں
 دہانوں میں کھڑے رہے۔

برف باری ٹھنے کے آثار نہیں تھے۔ بھی فضائیں چھائی ہوئی سفید دھنڈا ہٹ بھلی ہو جاتی
 اور کبھی گہری۔ دراڑ کے دہانے پر بر ف کے دودو فٹ اونچے ڈھیر ہو گئے تھے اور ان کی اوپرائی میں

اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔

”یہ اس بیچے کو لو مزی کے پنجے سے بھائی دلوانی چاہئے۔“ حمید نے قاسم کو مخاطب کیا۔
 ”کیوں... پڑا رہنے دو۔“ قاسم بڑا بولیا۔

حید کچھ کہنے والا تھا کہ فریدی غار سے باہر آگیا۔ اس کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار تھے۔
 حید اسے چند لمحے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔
 ”کیا بات ہے؟“

”ان بر خود ارکی بدولت۔“ فریدی قاسم کی طرف دیکھ کر رہا گیا۔
 ”بیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔“ قاسم گزردا کر بولا۔

”کچھ نہیں تم یہیں بھردا اور اپنے وظیفے بلند آواز میں پڑھتے رہنا۔“ فریدی نے کہا پھر اس
 نے حید کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

غار میں پہنچ کر اس نے اس پھر کی طرف اشارہ کیا جس پر حمید نے غائب ہو جانے والوں کی
 رائفلیں دیکھی تھیں۔ اب رائفلیں وہاں نہیں تھیں۔

”ہم بیشکل تمام دیا تین منٹ دراڑ میں بھرے ہوں گے۔“ فریدی نے کہا ”اور اتنی ہی دیر
 میں نہ صرف رائفلیں بلکہ وہ شب خوابی کا الباہد بھی غائب ہو گیا۔“

حید کچھ نہ بولا۔ دراصل اس وقت اس کا ذہن کام ہی نہیں کر رہا تھا۔ انتہائی گرم کپڑوں اور
 تیقی پوستین کے باوجود بھی سردی کے مارے اس کا براحال تھا۔ اس پر اس اطلاع کا کوئی خاص اثر
 نہ ہوا۔ اس کے ذہن میں غار کی نیم تاریک فضا اور الاؤ میں جلنے والے پرندے کی چراندھ کا ایک
 نیم خوابیدہ ساحاس موجود تھا اور بس۔

”لیا تم بھی بھوتوں کے متعلق سوچنے لگے۔“ فریدی اسے خاموش دیکھ کر بولا۔
 ”اوں... ہاں... میں کچھ نہیں سوچ رہا ہوں۔“

فریدی کے ہونٹوں پر ایک بلکل سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے جھک کر الاؤ سے ایک
 جلتی ہوئی لکڑی اٹھائی اور آہستہ سے بولا۔ ”مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ غار کے دوسرا دہانے کا
 مجھے خیال نہیں رہ گیا تھا۔ اب سے ڈیڑھ سال قبل میں نے اپنی تین راتیں اسی غار میں گزاری تھیں۔“
 وہ جلتی لکڑی اٹھائے کشادہ نہیں۔ ایک طرف بڑھ رہا تھا۔ حمید کا دل تو نہیں چاہتا تھا کہ

لیکن وہ بجورا ساتھ دیتا رہا۔ آگے چل کر ایک تنگ ساموٹھا اور پھر اس کے آگے راستہ نہیں تھا۔ حمید جھنگلا کر اٹھا۔ جھنگلا وہ دوسرا دہانہ کہاں ہے۔

فریدی اس کی طرف مڑا۔

”ضروری نہیں کہ آپ کی یادداشت ہمیشہ اچھی ثابت ہوتی رہے۔“ حمید نے جلنے لمحے میں کہا۔

”کیوں.... کیا ہوا؟“

”سنے! میرا موڈ بہت خراب ہے۔“ حمید بھنا کر بولا۔ ”مجھے اس پر بجورنٹہ سمجھنے کے میں نہ ہو کر گرتی ہوئی برف میں ناچنے لگوں۔“

”آخر پکھ کوہ بھی تو۔“

”کیا وہ دوسرا دہانہ صرف آپ ہی کو دکھائی دے رہا ہے۔“ حمید جھنگلا ہٹ میں جیچ پڑا۔

”اوہ.... یہ بات ہے۔ اچھا دھر آؤ۔“

فریدی غار کے انتہائی سرے سے پیٹھ لگا کر اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

دفعہ حمید کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔ قاسم نے بھی ابھی وہ بجورت دیکھا تھا تو کیا فریدی پر بھی کسی بھوت کا سایہ ہو گیا ہے یا اس بھوت ہی نے فریدی کی شکل اختیار کر لی ہے۔

حمد بڑی تیزی سے یہ سب کچھ سوچتا چلا گی۔ سردی کی شدت سے مضطبل ہوتا ہوا ذہن سب کچھ سوچ سکتا ہے۔ ابی حالت میں حمید خود پر بھی بھوت سوار ہو جانے کا شہید کر سکتا تھا۔

بھنی پھنی آنکھوں سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے ذہن کی پرالندگی نے دھنڈی روشنی میں فریدی کے سر پر سینگ بھی اگاہ دیے۔

جلتی ہوئی لکڑی سمجھنے لگی تھی۔ حمید کو فریدی کا چجزہ حد درجہ بھیاں نظر آنے لگا اور پھر دفنا وہ جیچ مار کر بھاگا۔

فریدی اس کے چہرے کی بدلتی ہوئی حالت کو غور دیکھتا رہا تھا۔ وہ بھی اس کے پیچھے دوڑا۔

قاسم نے حمید کو اس طرح غار سے نکلتے دیکھا تو اس کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ”بھاگو....!“ حمید کھنٹی کھنٹی سی آواز میں چینا۔

قاسم نے بھی جیچ مار کر دراڑ کے باہر چھلانگ لگادی اور پھر فریدی نے ان دونوں کو برداشت کرنے کے لئے اپنے جان پر کھیل کر اس لبادے کو دیا۔ اسے اخما بھی تو لے گئے تھے۔

پہلے تو وہ سمجھا تھا کہ حمید پر شائد شرارت کا بھوت سوار ہے لیکن اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔ برف اتنی تیزی سے گر رہی تھی کہ دس قدم دور کی بھی کوئی چیز نہیں دکھائی دیتی تھی۔ وہ چند لمحے کھڑا انتظار کر تاہم پھر اس نے ان دونوں کے نام لے لے کر چینا شروع کر دیا۔... مگر جواب نہ اراد۔

”کیا حماقت ہے۔“ وہ دانت پیس کر بڑھا۔ برف باری کی رفتار لمحے پر لحطہ تیز ہوتی جا رہی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا یہی دراڑ کا دہانہ ٹھوڑی تھی دیر بعد برف سے ڈھک جائے گا۔ فریدی نے کسی نہ کسی طرح خارش زدہ لو مڑی کے پیروں سے نیچپہ کھولا اور وہ خون خون کرتی ہوئی غار میں گھس گئی۔

پھر وہ پیٹھ کی مدد سے دراڑ کے دہانے پر اکٹھا ہوتی ہوئی برف ہٹانے لگا۔ حمید اور قاسم کا اب تک کہیں پتہ نہ تھا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ اگر حمید کا وہ فعل محض مذاق تھا تو اسے زیادہ دیر کر برقرار رہنا چاہئے تھا۔ آخر وہ کیا سمجھ کر اس طرح بھاگا وہ یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ حمید یہیک اتنا خوفزدہ ہو گیا تھا۔

وہ پیٹھ سے برف ہٹاتا رہا۔... رہ رہ کر وہ حمید اور قاسم کو آوازیں بھی دیتا جا رہا تھا۔ پھر اپنے کھاموش ہو گیا۔ اس طرح چھینتے رہنا بھی حماقت ہی تھی۔ برف ہٹاتے ہٹاتے تھک گیا تو یہ پلے ایک طرف ڈال کر بیٹھ گیا لیکن اس طرح کہ دراڑ کے دونوں طرف نظریں رہ سکیں۔ وہ مطمئن نہیں تھا کیوں کہ اسے یقین تھا کہ کچھ پر اسرار نامعلوم آدمی اس کے قریب ہی کہیں موجود ہیں اور کسی وقت بھی اس پر حملہ کر سکتے ہیں۔ غار میں پائے جانے والے اجنبیوں کا اس طرح بھاگنا ان کی نیت کے خور کی کھلی ہوئی دلیل تھی۔ لیکن ان کا مقصد کیا تھا۔ اگر وہ گروہی ہی کی پارٹی کے آدمی تھے تو انہوں نے خود کو مشتبہ بنانے کی کوشش کیوں کی۔ اگر وہ سکون اور اطمینان سے غار ہی میں بیٹھ رہتے تو فریدی ان کا کیا لیتا اور پھر یہ بات قاومتا جرم بھی نہیں تھی۔ بھر حال ان کے اس طرح بھاگ جانے پر وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ شب خوبی کا الباودہ اسی لڑکی کا نہ رہا ہو جائے فزار وہ اٹھا گیا تھا اور پھر وہ لوگ اپنی جان پر کھیل کر اس لبادے کو دیا۔ اسے اخما بھی تو لے گئے تھے۔ پھر ایک خیال اور بھی آیا۔... وہ یہ کہ کہیں وہ لوگ اسے پہچانتے نہ ہوں۔ اگر یہ بات تھی تو

وہ خود بھی خطرے میں تھا۔ اس نے ہولٹر سے ریو اور نکال لیا۔ حقیقتاً وہ بڑے خطرے میں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر ان کی تعداد دو سے زیادہ ہوئی تو جان پچانا مشکل ہو جائے گا۔ اسے اس وقت بڑی آسانی سے گھیر کر مارا جاسکتا تھا اس کے لئے صرف تین ہی آدمی کافی ہوتے۔ وہ تو غار کے دریز کے دونوں دہانے سنجال لیتے اور ایک دوسری طرف سے غار کے دہانے پر آ جاتا۔

غار کے دوسرے دہانے کے متعلق حمید کو دراصل غلط فہمی ہوئی تھی اگر وہ فریدی کے بلانے پر اس کے قریب چلا جاتا تو اس دوسرے دہانے کو پہ آسانی دیکھ لیتا۔ وہ دراصل اوپر کی طرف تھا۔ ایک ٹنگ راستہ جو ایک ڈھلان کی ٹکل میں دس گیارہ فٹ اور کی طرف چلا گیا تھا۔ قصور اس کا نہیں بلکہ اس کے تھکے ہوئے ذہن کا تھا۔ پچھلی رات شام کے تین بجے سونا نصیب ہوا تھا اور پھر سردی کی شدت! او گھنٹے ہوئے ذہن نے واہے کو تقویت دی اور وہ فریدی ہی کو بہوت سمجھ بیٹھا۔ پھر اس طرح بے تحاشا بھاگا کہ برف باری کی پرواد کے بغیر دراڑ سے نکل گیا۔ اس نے قاسم کو بھی بھاگتے دیکھا تھا۔ لیکن آگے چل کر گرد و پیش کے اڑتے ہوئے سفید ذرات نے اسے قریب اندر ہا کر دیا۔ اب نہ وہ اس دراڑ ہی کی طرف جاسکتا تھا اور نہ آگے ہی بڑھ سکتا تھا کیونکہ اب اس کے ذہن کی وہ نیم غنودہ سی کیفیت ختم ہو گئی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں کچھ کسی گڑھے ہی میں نہ گرپڑے۔ اس نے بوکھلا کر تھوڑی سی جگہ میں چکر کاٹنے شروع کر دیئے۔ اسے کسی آدمی کی پے درپے چینیں سنائی دے رہی تھیں۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ چینیں والا کون ہے۔ اگر ایک بار بھی وہ چینیں اس کے کان پڑ جاتیں تو وہ آواز کی طرف چل پڑتا اور پھر اسی دراڑ نکل پہنچ جاتا کیونکہ وہ درحقیقت فریدی تھا جس کی آواز اس کے کانوں تک نہیں آیا۔ قسم کی چیخ بن کر پہنچ رہی تھی۔ پچھلی بات تو یہ ہے کہ اس وقت نہ اسے فریدی کا خیال تھا اور نہ قاسم کا۔... بس وہ ایک محدود سی جگہ میں چکر لگا رہا تھا۔

اچاک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے برف کا ایک بہت بڑا ڈھیر اس پر آ رہا ہو۔ وہ زمین پر گرپڑا۔ لیکن برف کا وہ ڈھیر جو اس پر مسلط ہو گیا تھا۔ انتہائی وقت صرف کرنے کے باوجود بھی اس پر مسلط ہی رہا۔ یہ عجیب بات تھی کہ یقچے دبا ہوا برف کا بستر بڑا ملائم تھا۔ لیکن اور کا ڈھیر جبی ہوئی برف کی طرح سخت تھا۔ پھر اس نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ اوپر کی طرف اٹھ رہا ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ خود اس ڈھیر پر مسلط ہو گیا۔ لیکن اس جدوجہد میں اس کے قوئی جواب دے چکے تھے

رنگ رفتہ اس پر غشی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ اچاک سفیدی پر تاریکی کے غلاف چڑھ گئے۔ پتہ نہیں اسے کس وقت ہوش آیا۔ چاروں طرف تاریکی تھی۔ ایسا گھنا اندر ہیرا جس میں روشنی کا ہلاکا سادھہ بھی نہیں تھا۔ ہوش آتے ہی سب سے پہلے اسے اس بات کا احساس ہوا اک اس کا جسم ہمارے میں پر نہیں ہے۔ اس نے امتحنا چاہا لیکن جسم کو جنم نہ دے سکا۔ آہستہ آہستہ اس کا ذہن صاف ہوتا جا رہا تھا۔

چند لمحوں کے بعد اس نے کسی آدمی کی آواز سنی جو شہد کی مکھیوں کی طرح بھینٹا رہا تھا۔ آواز قریب ہی سے آری تھی۔ حمید اندر ہیرے میں آنکھیں چھاڑنے لگا۔ لیکن بے سود.... آواز لمحے بے لمحہ بلند ہوتی جا رہی تھی اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ آواز کسی پھوٹ پھوٹ کر رونے والے کی آواز میں تبدیل ہو جائے گی۔

”ہائیں.... قاسم....!“ حمید حلق پھاڑ کر چینا۔

”غوغ.... غوغ.... غوں.... غمید بھائی۔“

”میں اس وقت سفلی کر رہا ہو۔ بھوت نے مجھے بوٹل میں بند کر دیا ہے۔“ قاسم نے کھا اور بلند آواز میں بڑا نہ لگا۔ ”لوک لوٹا.... جھوٹک جھوٹا.... بدی کی گانٹھ.... کثیری کی آنکھ.... انار بندھوں کٹا رہا نہ ہوں.... یاندھوں پچکل پچکل بھیروں.... بھیروں.... بھیروں۔“

”چپ رہو۔“ حمید نے اسے ڈانتا۔

”ارے ارے.... گڑ بونہ کرو۔“ قاسم نے ہاک لگائی۔

”بکواس بند کرو۔ فریدی صاحب کہاں ہیں۔“

”پتہ نہیں.... لوٹک لوٹا.... جھوٹک جھوٹا.... بدی کی.... گگ.... گانٹھ....!“

قاسم بڑا رہا تھا اور حمید اپنی پوستیں کے یقچے ریو اور کاہو لٹر تلاش کرنے لگا۔ لیکن وہ کار توں کی چیزیں سمیت غالب تھا۔ رانفل کے متعلق تو خیر اس نے پہلے ہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ اس کے پاس نہیں ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ چلتے وقت اس نے گھڑی بھی نہیں لگائی تھی کہ اس کے اندر ہیرے میں چکنے والے ہندسوں سے وقت ہی کا اندازہ لگا سکتا۔

”دفعتا اسے سگار لا کرٹیا رہا۔“ لیکن اندر ونی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اسے ڈرگ رہا تھا کہ کہیں اسے بھی نہ نکال لیا گیا ہو۔ اس اندر ہیرے میں وہ امید کی آخری کرن تھی۔ آخر جی کڑا

کر کے اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ سگار لائٹر موجود تھا۔

جیسے ہی اس نے سگار لائٹر جلایا قاسم کے منہ سے خوفزدہ سی آوازیں نکلنے لگیں۔ لیکن وہ تھا

کہاں؟ حمید آنکھیں پھاڑے چاروں طرف گھورتا رہا۔ لیکن قاسم کہیں نہ دکھائی دیا۔ البتہ اس کی

آوازوہ صاف سن رہا تھا۔

شائد اب قاسم نے سفلی اور علوی دونوں قسم کے عمل ایک ساتھ شروع کر دیئے تھے۔

یہ ایک کافی کشادہ غار تھا لیکن چاروں طرف سے بند۔ کہیں بھی کوئی رخنے نظر نہیں آتا

تھا۔ حمید کام گھنٹے لگا۔

”ارے! ہو ہو ہو۔“ قاسم کی آواز غار میں گونج رہی تھی۔

دشمن شکاری

”میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔“ اُس کی لڑکی فرزانہ نے سمجھی ہوئی آواز میں کہا۔
”مجھے مجھ نہ نصت کا انتظار ہے۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”میرا ذہن اس وقت کام نہیں
کر رہا ہے پتہ نہیں حمید کو کیا ہو گیا تھا اور وہ اس طرح کیوں بھاگا تھا۔“

”فریدی صاحب۔“ کرتل شمشاد نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ”آپ لوگ یقیناً کسی

برف باری ختم ہو جانے کے بعد فریدی، قاسم اور حمید کو بڑی دیر تک ملاش کرتا رہا لیکن وہ شیطانی پکر میں پڑ گئے ہیں۔ آپ کا جوانی کا خون ہے اور اب بھی آپ پھاڑ سے بھی مکر رکھتے ہیں۔ میں
نہ ملے۔ تشویش لحظہ ب لمحہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ دونوں کسی گڑھے میں
بھی آپ ہی کی طرح بد ارواح کا قائل نہیں تھا۔ لیکن 1944ء میں لیمیا کے محاذ پر مجھے قائل ہی
ہو جانا پڑا۔“

”ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ وہ بہت زیادہ بے چین نظر آ رہا تھا اس کے
لئے یہ خیال انتہائی تکلیف دہ تھا کہ وہاب حمید کو بھی نہ دیکھ سکے گا۔ لیکن پھر بھی رہہ کر دروازے
کی طرف اس انداز سے دیکھ لیتا تھا، جیسے اُسے موقع ہو کہ ابھی حمید اپنے مخصوص لمحے میں کوئی نیا
شوشه چھوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہو گا وہ تھوڑے دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

”اب آپ لوگ براہ کرم یہاں سے کہیں اور چلنے کی تیاری کیجئے۔“ فریدی نے کہا۔

”کہاں چلیں۔“ نواب رشید الزماں نے پوچھا۔

”مجھ نہ نصت کہیں نہ کہیں انتظام کریں گے۔“ فریدی نے کہا اور پھر یہک اس طرح

چونکہ پڑا جیسے کوئی بات یاد آگئی ہو۔ اُس کی نظریں فرزانہ کے چہرے پر جم گئیں اور فرزانہ آنکھیں

چڑائیں گے۔

”آپ صح عمل خانے گئی تھیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

وہ کب تک انہیں ملاش کرتا۔ آخر تھک ہار کر فزارو کی طرف لوٹنا پڑتا۔ وہ یہ بھی سوچا
رہا تھا ممکن ہے وہ دونوں فزارو ہی پہنچ گئے ہوں لیکن یہ خیال مغض ایک دل بھلانے والا خیال ہی
رہا۔ اسی خیال کے ساتھ اُسے یہ بھی سوچنا پڑتا تھا کہ اگر حمید فزارو پہنچ گیا ہوتا تو کچھ آدمیوں کو
اپنے ساتھ لے کر اُس کی ملاش میں واپسی ضرور آتا۔

بہر حال فزارو پہنچ کر فریدی کو یقین آگیا کہ وہ دونوں یقیناً برف ہی میں کہیں دب کر رہے گئے

ہیں۔ اُس نے مجھ نہ نصت کو فون کیا۔ آفس ہی میں موجود تھا۔ فریدی فون پر اُسے وضاحت کے

ساتھ کچھ نہ بتا سکا۔ ویسے اُس نے اُس سے جلد سے جلد فزارو پہنچ جانے کی استدعا کی تھی۔

فریدی نے اپنے بچپنی رات کے کارنا موسوں کے متعلق نواب رشید الزماں وغیرہ کو کچھ نہیں

بتایا تھا لیکن اب بتانا ہی پڑا۔ حمید اور قاسم کا انجام سن کر وہ سب سنائے میں آگئے۔ شہزاد کے

چہرے سے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پھوٹ پھوٹ کر روانشروع کر دے گی۔

”لیکن کس نے لگایا۔“
 ”یہ تم ختم مہ فرزانہ ہی بتا سکیں گی۔“ فریدی نے کہا۔
 ”مجھے نہیں معلوم۔“ فرزان بولی۔
 ”جب یہ انچشن غسل خانے ہی میں دیا گیا تھا۔“
 ”آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“ نواب رشید الزماں بڑھا کر۔
 ”کسی کو ہماری آمدگاری گذری ہے۔“ فریدی بولا۔
 ”کسے....!“ زاہد کریم چونک کربولا۔
 ”یہ میں نہیں جانتا۔“ فریدی نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ آپ لوگ واپس ہی جائیے۔“
 ”یہ ناممکن ہے۔“ فرزانہ نے کہا۔ ”جب تک حید صاحب وغیرہ نہیں مل جاتے سب میں
 قیام کریں گے۔“
 ”مجھے تو قع نہیں کہ وہ دونوں زندہ ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ معقولی برف باری نہیں تھی
 بلکہ برف کا طوفان تھا... اچھا...!“
 فریدی کھڑا ہو گیا۔ ”معاف کیجئے گا۔“ میں اس وقت زیادہ گفتگو کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔
 ”وہ لوگ خاموشی سے اس کی شکل دیکھتے رہے کوئی کچھ بولا نہیں۔
 فریدی ڈائینگ ہال میں چلا آیا۔ وہ بے چینی سے سمجھ نظرت کا انتظار کر رہا تھا۔ تین نگے
 تھے۔ اس کی خواہش تھی کہ رات ہونے سے قبل ایک بار اور سیٹل گھائی کھگال ڈالی جائے۔
 اس نے ان تینوں شکاریوں کو بھی دیکھا، جو ایک بیز پر کافی پی رہے تھے۔
 بھاری چہرے والے نے فریدی کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے آہستہ سے سر ہلایا۔
 ”معاف کیجئے گا۔ میں مغل ہوں۔“ فریدی نے ان کے قریب پہنچ کر کہا۔ ”کیا آپ ہمیں
 ہمارے ساتھیوں کو ڈھونڈھنے میں مدد دے سکتے ہیں۔“

”آپ کے ساتھیوں کو کیا ہو۔“ بھاری چہرے والے نے جرت سے کہا
 ”وہ دونوں غائب ہو گئے... سیتل گھائی میں.....“ فریدی نے کہا اور بچھل رات سے اب
 تک کے سارے واقعات دھرا دیے۔ لیکن اس نے شب خوابی کے اس لبادہ کا تذکرہ نہیں کیا جو
 اُسے غار میں ملا تھا۔

”کیوں؟ جی ہاں...!“
 ”دہاں اندر ہمیرا رہا ہو گا۔“
 ”تھا تو... لیکن آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔“
 ”پانچ بجے سے سات بجے تک آپ کہاں تھیں۔“
 ”شام کے غسل خانے سے واپس آکر میں پھر سو گئی تھی۔“
 ”یہ آپ کو اچھی طرح یاد ہے کہ آپ غسلخانے کی تھیں۔“
 ”جی ہاں۔“
 ”اس سلسلے میں کوئی خاص بات بھی آپ کو یاد ہے۔“
 ”خاص بات۔“ فرزانہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر دفعہ اُس نے اپنے دامیں بازو کو ہاتھ سے دبا کر روا
 سامنہ بیٹایا۔
 ”کوئی تکلیف...!“ فریدی نے پوچھا۔
 ”پہنچنے کی سچیز نے کاٹ لیا ہے۔“ فرزانہ نے آستین سمیٹ لی۔
 بازو پر ایک اُبھر اُہوا چھوٹا سا نشان تھا۔ فرزانہ نے اُسے ہولے سے دبایا اور ”کی کی“
 کرنے لگی۔
 فریدی نے اٹھ کر اُسے دیکھا اور پھر اپنی کرسی پر آبیٹھا۔
 ”انچشن کا نشان۔“ وہ آہستہ سے بڑھا۔
 ”میا؟“ کرمل شمشاد نے چونک کر کہا۔
 ”انچشن کا نشان۔“ فریدی نے دوہرایا۔ پھر کرمل کو مخاطب کر کے پوچھا۔ ”ڈاکٹر نے کہا
 انچشن دیا تھا۔“
 ”پنڈلی میں۔“
 ”آپ کو اچھی طرح یاد ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔
 اب فرزانہ اپنی پنڈلیاں بھی ٹوٹنے لگی تھیں۔
 ”جی ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے۔“
 ”تو پھر ان کی وہ کیفیت اسی انچشن کا نتیجہ تھی، جو بازو پر لگایا گیا ہے۔“

”ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا اور پھر امتحنا ہوا بولا۔ ”بہر حال رات ہونے سے قبل ہمیں ایک بار اور وہاں دیکھ لینا چاہئے۔“

پھر ایک گھنٹے کے اندر اندر سیتیل گھانی میں نیکم گذھ پولیس فورس کے نوجوان چھیل گئے ایک ایک چپ چھان مارا گیا۔ شوگلو قوم کے مزدوروں نے برف سے بھرے ہوئے گڑھے کھنگاں ڈالے۔ مگر قاسم اور حید کا سراغ نہ ملا۔ اس پر مجرم نصرت تو کافی اداس ہو گیا تھا لیکن فریدی کے ذہن کے تاریک گوشوں میں امید کی کرنیں دوبارہ رینگ آئی تھیں۔

رات ہوتے ہوتے وہ سیتیل گھانی سے لوٹ آئے۔

اب فریدی نے گروہی کے متعلق معلومات بھی پہنچانی شروع کیں۔ میجر نصرت نے بتایا کہ وہ مشتبہ ضرور ہے لیکن پولیس کے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ میجر نصرت ہی سے اُسے گروہی کی جائے قیام بھی معلوم ہو گئی۔ اُسکے معمولات کے متعلق بھی کچھ باقاعدہ معلوم ہوئے۔ فریدی نے یہی چاہا تھا کہ اسی وقت اپنے ساتھیوں کو کسی دوسری جگہ منتقل کر دے لیکن میجر

نصرت نے مزدوری طاہر کی اور یہ معاملہ دوسرے دن پر مل گیا۔

میجر نصرت کی روائی کے بعد فریدی اپنے کمرے میں آیا اور پھر جب آدھہ ٹھنڈہ بعد وہ کمرے سے نکل رہا تھا تو غزالہ سے مذہبیز ہو گئی۔ غزالہ فریدی کے کمرے میں ایک اجنبی کو دیکھ کر نہ کھل گئی۔ فریدی کے چہرے پر گھنی ڈالا گھنی اور چڑھی ہوئی موچھیں تھیں۔ وضع قطع سے وہ اب بھی شکاری ہی معلوم ہو رہا تھا۔ راکفل اُس کے کاندھے پر لٹک رہی تھی۔

”ور گئیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”ارے آپ.... یہ کیا؟“

”میں ذرا باہر جا رہا ہوں۔“

”بھی آپ نہیں! آپ نہیں جاسکتے۔“ غزالہ نے کہا۔ ”جو ہوا سو ہوا۔ اب ہم واپس جائیں گے کل ہی۔“

”صرف آپ لوگ۔“ فریدی نے کہا۔ ”جب تک ان کی لاشیں نہ مل جائیں میں انہیں

مردہ بخشنے کے لئے تیار نہیں۔“

”تو اس طرح کہاں جا رہے ہیں۔ شکل کیوں تبدیل کی جائے۔“

”وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔“ بھاری چہرے والا آہستہ سے بڑھ لیا۔ ”یعنی...!“

”کیا بھی یہ بتانے کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ وہ دونوں گروہی کے ساتھی تھے۔“ شکاری نے کہا۔

”لیکن وہ بھوت۔“ فریدی بولا۔

”میں نے آج تک نہیں دیکھے۔“ شکاری کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”حالانکہ میں نے شکار زیادہ تر رات ہی کو کھیلا ہے۔ البتہ پیروں کے نشانات اکثر دیکھے ہیں۔“

”تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر شکاری ہی بولا۔“ مجھے افسوس ہے کہ آپ کے دوساری ضائع ہو گئے۔ میرے سینے پر تو ایک دو نہیں اخخارہ واغ ہیں۔“

”لیکن وہ دونوں آدمی تو ہمیں دیکھ کر بہت زیادہ سکھ گئے تھے۔“ فریدی نے کہا۔

”اوہ.... آپ اُن کے مل میں گھس تو گئے تھے۔“ شکاری بولا۔ ”میں دس سال سے جھک مار رہا ہوں لیکن مجھے حسرت ہی رہ گئی کہ ان کی کوئی کمیں گاہ مجھے مل سکتی۔“

”برف باری کے اوقات میں آپ لوگ کہاں پناہ لیتے ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ہمیں ایک اچھا سا غار مل گیا ہے۔“ بھاری چہرے والے نے کہا اور پھر قاسم اور حید کی موت پر اظہار افسوس کرنے لگا اور اس کے انداز گفتگو سے معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے اُن کی موت کا سو فیصد یقین ہو۔

سازھے تین بجے کے قریب میجر نصرت آگیا۔ فریدی نے اُسے بھی سارے واقعات بتا دیے۔ میجر نصرت تھیرانہ انداز میں سب کچھ سنتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ”سیتیل گھانی بڑی مخدوش بگد ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے پہلے ہی آپ کو اُسکے متعلق کیوں نہیں بتا دیا تھا۔“

”میں جانتا ہوں۔“ فریدی بولا۔ ”اور میں نے شکار کا ارادہ تو قطعی ترک کر دیا تھا لیکن ان بھوتوں کے مسئلے نے مجھے الجھالیا۔“

”چھوڑیے! آپ بھی کہاں کی بات لے بیٹھے۔ یہ بھی شکاریوں ہی کی حرکت ہے۔ غالباً کوئی ایسی پارٹی ہے جو دوسری پارٹیوں کو سیتیل گھانی میں شکار کھینے سے باز رکھتا چاہتی ہے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن ہم نے اُن پر لا تعداد فائز کئے تھے۔“ فریدی نے کہا۔

"تو متاکر جائیے... کہاں جا رہے ہیں۔"
"مجھے افسوس ہے۔"

"آخر آپ اتنے ضدی کیوں ہیں۔" "غزالہ جھنگھلائی۔"
"میں خود بھی اکثر یہی سوچتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اچھا آپ کرہ بند کر دیجیے گا۔"
فریدی تیز تیز قدم ہڑھاتا ہوا دوسری راہداری میں مڑ گیا۔ سانس نے شہناز آرہی تھی اور
اس نے شاید فریدی کو دیکھ لیا تھا غزالہ کے قریب آگر اس نے پوچھا۔ "یہ کون تھا۔"
"ایک پاگل تھا۔۔۔ خبٹی تھا۔۔۔ آدمی نہیں تھا۔" غزالہ بیرونی شخ کر بولی۔ اس بیچاری نے
سینکڑوں بار اپنے ہوائی قلعوں میں فریدی کو دلیپ کمار بنا کر دیکھا تھا مگر یہ اپنے گوشت دپوست
پیکے معلوم ہو رہے تھے۔ مگر فریدی کے ذہن میں صرف ایک بات تھی۔ حمید کی بازیابی۔۔۔ اسے
موسم کی اذیت کا احساس نہیں تھا۔

پیار کا انداز پیدا کر کے اس کی جامد حیات کو متحرک کر لے گی۔
"میں نہیں سمجھی۔" شہناز نے کہا۔
"اس کرے میں کون رہتا ہے۔"
"فریدی صاحب۔" شہناز نے تھیہ انداز میں پوچھا۔

حمد صاحب نے کوئی شرارت فرمائی ہے۔" غزالہ ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "خواہ خواہ سب کو
پریشانیوں میں بدل لے گردیا۔"
شہناز کو غزالہ کا جملہ اتنا گراں نہیں گزرا جتنا کہ لبجہ ناگوار معلوم ہو۔ اسے بہر حال حمید
سے انسیت تھی اور یہ انسیت نہیں تھی۔ سالہاں سال سے وہ دونوں ایک دوسرے سے بے
تكلف تھے لیکن چونکہ دونوں تعلیم یافتہ اور سمجھدا بڑھتے اس لئے انہیں عشق کاروگ نہیں لگا تھا۔
شہناز صرف ہونٹ چپا کر رہ گئی۔ وہ غزالہ کی جھلکا بڑھتی کی وجہ بھی جانتی تھی اگر کوئی اور
سوقہ ہوتا تو وہ اس پر طنز کے بغیر نہ مانتی لیکن آج وہ خود بہت زیادہ پریشان تھی۔
غزالہ نے فریدی کا کرہ مقفل کیا اور اپنے کمرے کی طرف چل گئی۔

فریدی نے ڈائینگ ہال سے گذرتے وقت محوس کیا کہ فیجر اسے تحریر آمیز انداز میں گھور رہا
ہے اور اب حقیقتاً اپنی جلد بازی پر افسوس ہونے لگا۔ ظاہر ہے کہ ہوٹل میں واردات
بانے کے بعد سے فیجر ہر ایک پر کڑی نظریں رکھنے لگا تھا۔ ہوٹل کے کمروں سے کسی ایسے

آدمی کا برآمد ہونا جسے اس نے داخل ہوتے نہ دیکھا ہو یقیناً ایک حیرت انگیز بات تھی۔
فریدی نے ہوٹل سے نکل کر شہر کی راہی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فیجر اس کے متعلق ہر ایک سے

پوچھتا پھر رہا ہو گا۔ وہ دراصل اس وقت گروہی کی تلاش میں نکلا تھا۔ میجر نصرت سے اس کا حلہ
بھی اُسے معلوم ہو گیا تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ گروہی اس وقت شہر کے ایک ایسے ہوٹل میں
ملے گا جس میں بار بھی ہے وہ اب یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اُسے وہاں شکالیوں کی وضع میں نہ جانا
چاہئے۔ راستے برف سے ڈھکے ہوئے تھے کہیں کہیں تو گھنٹوں تک پیر برف میں دھن جاتے تھے۔

سردی شباب پر تھی۔ اون کے استر والے لانگ بوٹ ٹھنڈے لوہے، کی طرح پنڈلیوں سے
چپکے معلوم ہو رہے تھے۔ مگر فریدی کے ذہن میں صرف ایک بات تھی۔ حمید کی بازیابی۔۔۔ اسے
موسم کی اذیت کا احساس نہیں تھا۔

اس نے شہر پہنچ کر را نکل میجر نصرت کے یہاں رکھوا دی۔ میجر نصرت گھر پر موجود تھا۔ وہ
کافی دیر تک آنکھیں پھاڑے فریدی کو گھوڑا تارہا تھا اور پھر جب خود فریدی ہی نے اپنا تعارف کرایا
تو وہ بے اختیار نہیں پڑا۔ فریدی کو اُس نے ایک نئی اطلاع دی۔ وہ یہ کہ سیٹل گھائی میں پولیس کا
ایک دستہ تعینات کر دیا گیا ہے۔

وہاں سے فریدی اُس ہوٹل میں آیا جہاں پر گروہی سے ملاقات ہو جانے کی موقع تھی اور پھر
اُسے گروہی کو پیچاں لیتے میں دشواری نہ ہوئی۔ گروہی ان آدمیوں میں سے نہیں تھا جو اپنی
شخصیت کے اعتبار سے کسی بھی میں ضفر ہو کر رہ جاتے ہیں۔ میجر نصرت نے اس کی خاص نمائی
اس کی پیشانی پر پڑی ہوئی۔ ایک ترچھی اور گہری لکیر بتائی تھی، جو باپیں آنکھ کے اوپری حصے سے
داہنی کپٹی تک پھیلی ہوتی تھی۔ یہ غالباً کسی زخم کا نشان تھا۔ عمر سانحہ سال کے قریب رہی ہو گئی
لیکن جسم کی بناوٹ کے اعتبار سے وہ اب بھی کافی مضبوط معلوم ہوتا تھا۔ چہرے پر گھنی پیدا
ہو چکیں تھیں۔ جنہوں نے تچلے ہونٹ کو بھی ڈھک لیا تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں پتہ نہیں یہ
شراب کا عارضی اڑھایا صفر اوری مزاج رکھنے والوں کی آنکھوں کی طرح وہ رات کو عموماً سرخ ہی
رہا کرتی تھیں۔

وہ اس وقت میر پر تھا تھا اور اس کے سامنے شامپین کی دو خالی بولٹیں پڑی تھیں اور تیرسری
آدمی ہو چکی تھی۔ اس کی نظریں خلاء میں نہ جانے کس چیز پر بھی ہوئی تھیں اور اس کا بیان شاندہ رہ

رہ کر ایک خاص انداز میں جبکش کرنے لگتا تھا اور اسی کے ساتھ ہی اس کی موچیں سستے اور پھیلے گئی تھیں۔

فریدی قریب ہی ایک میز پر دونوں ہاتھ ٹیک کر کھڑا ہو گیا اور چند ہیلائی ہوئی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کوئی دہقان پہلی بار شہر آیا ہو۔ ایک دیٹر لپک کر اس کے قریب آیا۔

”میں بڑف ہو گیا ہوں۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”محچے کافی چاہئے... گرم کھولتی ہوئی۔“ دیٹر اسے بینٹنے کا اشارہ کرتا ہوا چلا گیا۔ فریدی کو بینٹے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ دفتار گروپی نے اس کی طرف دیکھا اور ٹھیک اسی وقت فریدی کی میز کے قریب سے گزرنے والے کچھ لوگوں میں سے ایک نے اس کی صنوئی ڈاڑھی پکڑ کر کھینچ لی۔ فریدی یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ وہ کون تھا اور پھر پانچ یا چھ آدمیوں کی دوپارٹی قیقہے لگاتی ہوئی ایک دروازے میں داخل ہو گئی۔ گروپی کے ہونٹ تھیں آئیز انداز میں ذرا سے کلے اور پھر بند ہو گئے۔ اس نے اتنی سختی سے دانت پر دانت جمائے کہ جزوں کے مسلسل اُبھر آئے۔

فریدی کے ہونٹوں پر صرف موچیں رہ گئی تھیں۔

گروپی اپنی جگہ سے اٹھ کر فریدی کے قریب آیا اور اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر تھیک آئیز انداز میں آہنگ سے بولا۔ ”کیوں دوست... کون ہوتا۔“

”فرشتہ...!“ فریدی بڑے معصومانہ انداز میں مسکرا یا۔

”نقیل ڈاڑھی میں۔“ گروپی نے طنزیہ لجھ میں کہا۔

”وہ ڈاڑھی نہیں گالوں کی پوستین تھی... آج بڑی ٹھنڈک ہے۔“ فریدی اپنی ہتھیلیاں ایک دوسری سے رگڑتا ہوا بولا۔

بُرے پھنسے

غار کے بہت تھوڑے حصے میں روشنی تھی۔ سگار لا یکٹر کی روشنی ہی تکنی۔

حیدر جران جیران آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ آخر قاسم کہاں تھا۔ آواز تو

قریب ہی کہیں سے آرہی تھی لیکن حیدر کا ذہن کچھ اس طرح پچکرایا ہوا تھا کہ وہ کتنی منٹ تک آواز کی سمت کا اندازہ نہ لگاسکتا۔ اس دوران میں وہ لا یکٹر کو جلاتا اور بجا تارہ۔

وہ جب بھی لا یکٹر جلاتا قاسم کی آواز اچانک تیز ہو جاتی۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے لا یکٹر کا شعلہ اس کے جسم کے کسی حصے سے جالا گا اور تکلیف کی وجہ سے اس کی چیخ نکل جاتی ہو۔

بڑی دیر کے بعد یہ بات حیدر کی سمجھ میں آئی کہ آواز یچے سے آرہی ہے۔ اس بار جیسے ہی اس نے لا یکٹر جلاتا اور قاسم کی چیخ نکلی وہ آواز کی سمت چل پڑا اور پھر اس کی نظر ڈر اسما بھی چوک جاتی تو وہ ایک گڑھے میں ہوتا۔ اس نے لا یکٹر نیچے کیا۔ گڑھا کیا تھا اچھا خاصاً کنوں تھا لیکن گھر اپنی پانچ یا چھ فٹ سے زیادہ نہیں تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے خاص طور پر پھر تراش کر بنا لیا گیا ہو۔ دہانے کا درہ اپنی باقاعدگی کے اعتبار سے کسی پر کار کا رین منٹ معلوم ہوتا تھا۔ حیدر نے قاسم کو دیکھا جو اسی گڑھے کی تہہ میں اکڑوں بھٹاک رکھنے میں دیئے اپنا سفلی عمل دہرا رہا تھا۔ حیدر کو ہنسی آگئی۔

”اویمڈھگ....!“ حیدر نے بھر اپنی ہوئی آواز میں کہا۔ ”یہ کیا ہو رہا ہے۔“

”ہمیں... حیدر بھائی۔“ قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے شانے گڑھے کے باہر نکلے ہوئے تھے۔ پھر اس نے لا یکٹر کی روشنی میں اس گڑھے کا جائزہ لیا اور بینے لگا۔

”لا ہول والا قوہ... میں سمجھا تھا شاید یو تل میں بند ہوں۔“ قاسم نے کہا اور گڑھے کے اوپر دونوں ہاتھ جما کر پاہر آگیا۔

”مگر... حیدر بھائی... ہم کہاں ہیں۔“

”فریدی صاحب کی سرال میں۔ مگر خدارا مجھ سے یہ نہ پوچھنا کہ ان کی شادی کب اور کہاں ہوئی تھی۔“

”کیا رات ہو گئی۔“ قاسم نے جما ہی لے کر کہا۔

”رات کے بچے ہم کسی غار میں بند کر دیئے گئے ہیں۔“

”تب تورات مزے میں کٹے گی۔“ قاسم ذور سری جما ہی لیتا ہوا بولا۔ ”مگر یہاں چھر بکثرت معلوم ہوتے ہیں۔“

حیدر نے لا یکٹر بھجا دیا وہی تو اس اندر ہیرے میں ڈوبتے کو تسلکے کا سہارا تھا اگر اس کی بھی

”کیوں؟“
 ”اُرے جب آدمیوں نے ہمیں بند کیا ہے تو کوئی نہ کوئی راستہ ضرور ہو گا۔ جب وہ دوبارہ
 اپس آنکھیں گے دیکھ لیا جائے گا۔“
 ”ہم نہتے ہیں۔“ حمید نے کہا۔
 ”چھوڑو بھی حمید بھائی.... دیکھا جائے گا۔ ویسے بھوک بہت زور سے لگ رہی ہے۔“ قاسم
 نے انگڑائی لیٹتے ہوئے کہا۔ ”نیند بھی آرہی ہے۔“
 ”تو تم صرف بھوتوں سے ڈر رہے تھے۔“
 ”اور کیا...!“ قاسم نے کہا۔ ”میں تو دراصل بھوت کے خیال سے پریشان تھا اور آدمیوں
 میں اپنے باپ کے علاوہ اور کسی سے نہیں ڈرتا۔“
 ”ٹھیک ہے۔“ حمید اُس کاشانہ تھکتا ہوا بولا۔ ”آؤ اٹھو بابر نکلنے کا راستہ تلاش کریں۔“
 ”چلو...!“ قاسم کھڑا ہو گیا۔
 ”وفقاً حمید نے پھونک مار کر موم تی بجھادی۔“
 ”لکھا ہوا۔“ قاسم نے سرگوشی کی۔
 ”کوئی آرہا ہے.... چلو ادھر اس طرف آجائو۔“
 کئی قدموں کی آوازیں غار میں گونج رہی تھیں لیکن وہ دور نہیں ہوتی گئیں۔ پھر سناتا چھا گیا۔
 ”یہ کیا تھا۔“ قاسم نے آہستہ سے پوچھا۔
 ”کوئی آرہا ہے.... چلو ادھر اس طرف آجائو۔“
 کئی قدموں کی آوازیں غار میں گونج رہی تھیں لیکن وہ دور نہیں ہوتی گئیں۔ پھر سناتا چھا گیا۔
 ”یہ کیا تھا۔“ قاسم نے آہستہ سے پوچھا۔
 ”پتہ نہیں.... چپ چاپ بیٹھے رہو۔“
 حمید سوچ رہا تھا کہ وہ آوازیں غار کے باہر کی نہیں ہو سکتی تھیں کیونکہ باہر اب بھی کافی
 برف ہو گی۔ لیکن اگر غار کے اندر ہی کی آوازیں تھیں تو غار کتنا بچوڑا ہے۔
 وہ دوبارہ اٹھا ہی رہا تھا کہ اُسے پھر کچھ آوازیں سنائی دیں۔
 ”یہ کیا ہے۔“ قاسم نے پوچھا۔

اپرٹ ختم ہو جاتی تو کیا ہوتا۔
 ”حمد تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔“ ”قاسم اگر ہم اسی غار میں مر گئے تو کیا ہو گا۔“
 ”حمد بھائی.... مرنے کی بات نہ کرو مجھے رو نہ آ جاتا ہے۔“
 ”تو پھر یہاں سے کس طرح نکلیں گے مجھے تو کوئی ایسا راستہ نظر نہیں آتا۔“
 ”لیکن ہم یہاں پہنچ کس طرح۔“ قاسم نے کہا۔ ”میں گر پڑا تھا مجھے ابھی طرح یاد ہے اُنے اگڑائی لیٹتے ہوئے کہا۔ ”نیند بھی آرہی ہے۔“
 ”حمد بھائی تم بھاگے کیوں تھے۔“
 ”ختم کرو یہ قصہ... کچھ سوچو۔“ حمید جلدی سے بولا۔
 ”میں بہت دیر سے سوچ رہا ہوں کہ کچھ سوچوں.... مگر...!“
 ”حمید کچھ سوچتا ہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ”ہم یہاں پہنچ کس طرح۔“
 ”حمد بھائی مجھے عمل پڑھنے دیجئے ورنہ کوئی صیبیت آجائے گی۔“
 ”حمدی نے پھر لاٹھر جلایا اور وہ کنارے کنارے آگے بڑھنے لگے۔ غار کافی کشادہ تھا۔
 ”حمدی نے محسوس کیا کہ وہ اس سے پہلے بھی آدمیوں کی قیام گاہ بنتا رہا ہے۔ اُسے ایک طرف
 کچھ پھٹے پرانے کپڑے دکھائی دیئے۔ حمید نے انہیں پیر سے پھیلایا۔ اُن کے نیچے اُسے دو تین
 آدھ جملی موم بیاس ملیں۔ اُس نے انہیں اٹھایا اور نہایت احتیاط سے جیب میں ڈال لیا۔ اُن میں
 سے ایک روشن کری اور سکار لاٹھر بجھادیا۔ موم بیوں کا ملتا ایک بہت بڑا سہارا تھا۔
 ”حمد بھائی۔“ قاسم نے سرگوشی کی۔ ”بہوت بھی موم بیاس جلاتے ہیں۔“
 ”قاسم! تم زندہ رہنا چاہتے ہو یا مرنا۔“ حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔
 ”مگر.... کیوں....!“ قاسم اُس کی سنجیدگی پر بوکھلا گیا۔
 ”اگر مرنا چاہتے ہو تو دوسری بات ہے.... ورنہ فی الحال بھوت کا خیال دل سے نکال دو۔
 اس وقت ہم آدمیوں کی قید میں ہیں۔“
 ”آدمیوں کی قید میں؟“
 ”ہاں.... بھوت مولی شمعیں نہیں جلاتے ہیں۔“
 ”یہی تو میں بھی کہہ رہا تھا۔“ قاسم نے سر ہلا کر کہا۔ ”تب تو حمید بھائی بیٹھو۔“
 ”قاسم بڑے اطمینان سے پا لٹھی مار کر بیٹھ گیا۔“

”ضروری بھی بات ہے۔“ پہلے نے سر ہلا کر کہا اور قاسم کے منہ سے ایک لمحیٰ سی ہائیں ”مکمل کر رہ گئی۔

”سنو....!“ حمید جھلا کر بولا۔ ”ہماری رائقیں اور روایوں ہیں وابس دے دو۔ پھر ہمارا مھکنے اڑاؤ۔ نہتوں کے منہ پر تھوکنا بہادری نہیں ہے۔“

”ارے یہ بچ خود کو دنیا میں محسوس کر رہے ہیں۔“ ایک مشعل بردار بولا۔
وہ چاروں بھی ظاہر نہتے ہی تھے۔ حمید نے قاسم کو اشارہ کیا۔

”دیکھئے.... یہ سب بیکار ہے۔“ ایک بولا۔ ”یہ دنیا نہیں ہے۔ لبادگی سے کام نہیں چلے گا۔ شرافت سے چلے اور کھانا کھا لجھے کیونکہ ابھی آپ دونوں کے تابوت بھی تیار کرنے ہیں۔“
”تابوت.... لیجنی.... لگک....!“ قاسم تھوک نگل کر بولا۔

”دفعہ حمید کے چہرے پر زماہٹ دوڑ گئی اور اس نے بڑے میٹھے لبجھ میں کہا۔“ ”چلنے۔“
قاسم لا کھا احمد سہی لیکن اسے حمید کے رویے میں بے ساختہ قسم کی تبدیلی دیکھ کر بڑی حرمت ہوئی۔

پھر وہ ایک سرگم نمارستے سے گزر رہے تھے۔ دونوں مشعل بردار حمید اور قاسم کے آگے تھے اور دو آدمی ان کے پیچھے چل رہے تھے۔ سرگم زیادہ کشادہ نہیں تھی اس لئے قاسم کو جھک کر چلانا پڑ رہا تھا۔
مشعلوں میں جلنے والا ایندھن شائد کسی چیز کی چربی میں ڈبو یا گیا تھا۔ جس کی چراندھ سے کم از کم حمید کا دم اللئے لگا تھا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ پھر ایک کافی کشادہ غار میں پہنچ گئے۔ یہ غار سو فیصدی انسانی کارنامہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کا فرش مسطح تھا اور چاروں طرف کی چنانوں کو اتنی خوش سیلیگی سے تراشنا گیا تھا کہ وہ کسی عمارت کی دیواریں معلوم ہو رہی تھیں۔ چھت میں اعلیٰ قسم کی نقاشی تھی۔ جا بجا موی شمعیں جل رہی تھیں۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ فرعون کی قبر میں گھس آیا ہو۔ یہاں ظاہر کسی طرف سے بھی ہوا آنے کی گنجائش نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی شمعوں کی لویں تھر تھر رہی تھیں اور گھنٹن کا احساس بھی نہیں تھا۔

قسم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ آخر دو ڈری ڈری کی آواز میں بڑا لایا۔

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آوازیں ذور کی تھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے لکڑی کے کمر صندوق میں کلیں جڑی جا رہی میں اور یہ سلسلہ دیر تک قائم رہا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا کرنے۔ اچانک اُسے غار کی ایک اندر وہی چنان پر سرخ سی روشنی دکھائی دی جو رفتہ رفتہ گمراہ ہو کر پھلتی جا رہی تھی۔

اب انہوں نے قدموں کی آوازیں سیئیں۔ حمید سمجھ گیا کہ کوئی روشنی لے کر آرہا ہے جو چنان پر روشنی پر رہی تھی غالباً اسی کے سامنے کوئی راستہ تھا۔
قدموں کی آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں۔ پھر چنان کی اوث بے ایک بڑا مشعلہ باہر
طرف پکا۔ قاسم اور حمید اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

دوسرے لمحے چار آدمی اُن کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں۔ انہوں نے اپنے چہرے سیاہ لفابوں سے چھپا رکھے تھے اور اُن کے جسموں پر لبی لبی پوستینیں تھیں۔ وہ چاروں مودبانہ انداز میں قاسم اور حمید کے سامنے بھلے۔ قاسم بوکھلا کر حمید کی طرز دیکھنے لگا۔

”معزز مہماں سے استدعائی جاتی ہے کہ طعام تاول فرمائیں۔“ اُن میں سے ایک نے کہا۔ حمید بھی سنائے میں آگیا۔ اُسے اس کی توقع نہیں تھی۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ آنے والے نہیں یا تومار ڈالیں گے یا کسی اذیت میں مبتلا کریں گے۔

”آپ کون ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”فرشتے۔“ چاروں نے ایک ساتھ کہا۔

”کبھی بھوت۔“ قاسم بڑا نہ لگا۔ ”اوہ کبھی فرشتے۔ کہیں ہمارا دماغ تو نہیں چل گیا۔“

”سنئے جاتا۔“ حمید اپنا اوپری ہونٹ بھیچ کر بولا۔ ”اس طرح کسی آدمی کو قید کر دینا قانون بہت برا جرم ہے۔“

”قید... قید سے کیا مطلب۔“ اُس نے تھیر آمیز آواز میں کہا۔

”مطلوب پولیس بتائے گی۔“

”پولیس... یہ کیا چیز ہے۔“ اس بار بھی اس کے لبجھ میں حرمت تھی۔

اچانک اُن میں سے ایک دوسرا آدمی بولا۔ ”کہیں یہ لوگ خود کو دنیا میں تو نہیں سمجھ رہے ہیں۔“

”حید بھائی۔“

حید بھائی کچھ نہ بولے کیونکہ انہیں بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے یہاں چاروں طرف کفن میں لگائے جانے والے عطر اور کافور کی ملی خوشبو پھیلی ہوئی ہو۔

”آپ لوگوں کے تابوت....“ ہمراہ یوں میں سے ایک نے کہا۔ ”ایسے فرست کلاس میں کہ دیکھ کر طبیعت خوش ہو جائے گی۔ ان کے اندر اپر ٹنگ دار گدے لگائے گئے ہیں۔“

”تو ہماری رو میں ابھی قبض نہیں کی گئیں۔“ حید نے بڑے بھولے پن سے پوچھا۔

”کیا مطلب....!“ قاسم اچھل پڑا۔

چاروں ہنس پڑے۔

دفعتاً قاسم کی نظر دستر خوان پر پڑی، جو ایک کونے میں بچھا ہوا تھا اور جس پر قابیں اور پلٹیں چینی ہوئی تھیں۔ وہ اس قبرستانی ماحول کو بھلا کر کسی ندی میں بنچ کی طرح منہ چلانے لگا۔

”آئیے! اکھانا حاضر ہے۔“ ایک نے کہا۔ ”فضول بالتوں میں وقت برداز کرنے سے کیا فائدہ۔“ قبل اس کے کہ حید کچھ کہتا قاسم دستر خوان پر جم گیا۔ پھر اس نے ہانک لگائی۔

”آؤ.... آؤ حید بھائی۔“

”مجھے بھوک نہیں ہے۔“ حید برا سامنہ بنا کر بولا۔

”چلو بیٹھ جاؤ۔“ ایک آدمی نے حید کی گردن میں ہاتھ دے کر دستر خوان کی طرف دھکا دیا۔ حید پلٹ پڑا ایسے موقع پر اس کا ہاتھ کبھی غلط نہیں پڑتا تھا۔ دھکا دینے والا دوسرا طرف کی دیوار سے جا لکر ایا۔ حید دوسرے پر ٹوٹ پڑا۔

بات اب قاسم کی سمجھ میں آئی وہ شور چاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ چاروں حید پر پل پڑے تھے۔ قاسم نے ایک کی ناگ پکڑی۔ وہ ایک ناگ پر اچھلنے لگا۔ اب اس نے اس کو بازوں سے پکڑ کر سر سے بلند کیا اور اس کے ایک ساتھی پر ٹھیخ دیا۔ دونوں بیک وقت ڈھیر ہو گئے۔

باقیہ دو آدمی حید کو چھوڑ کر قاسم سے لپٹ پڑے اور پھر تھوڑی ہی دیر کی جدوجہد کے بعد ان کی گرد میں بھی اس کے بازوں میں آگئیں۔

”حید بھائی۔“ قاسم چیخا۔ ”تم جلدی سے کھالو۔ پھر انہیں پکڑو تو میں بھی کھالوں۔“

”اے اندا تھیں غارت کرنے۔“ حید دانت پیس کر بولا۔ ”کھانے کے بنچ نکلو یہاں سے جلدی۔“

”بھوک میں چلانے جائے گا۔“ قاسم سمجھی صورت بنا کر بولا۔
اس کے دونوں شکار اس کے بازوں میں پھٹے ہوئے تھے اور نری طرح مچل رہے تھے اور قاسم اس کی طرف سے اس طرح بے پرواہ نظر آ رہا تھا جیسے اس نے دوسرے بچوں کو قابو میں کر لیا ہو۔
”ان دونوں کے سر لڑاؤ اور نکل چلو۔ شابش۔“ حید نے گھنگھیا ہے ہوتے لجھے میں کہا۔
قاسم نے ایک کے سر پر اپنا سر دیے مارا اور وہ جیخ مار کر کسی چھپکلی کی طرح پٹ سے فرش پر گر پڑا۔ پھر وہ دوسرے کے ساتھ بھی بھی بر تاؤ کرنے جا رہا تھا کہ خود اس کے منہ سے ڈری ڈری سی چینیں نکلے گئیں۔

دو روزے میں برف کا بھوت کھڑا تھا۔ موی شمعوں کی زوشنی میں اس کا سفید جسم برا خوف ناک لگ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے اپنا ایک ہاتھ ان دونوں کی طرف بڑھایا اور اس عمارت نما غار میں برف کے ذرات اڑنے لگے۔ قاسم کی آخری جیخ دل ہلا دینے والی تھی۔ وہ ایک بہت بڑے شہیر کی طرح دھم سے زمین پر آ رہا۔ حید دیوار سے لگا ہوا کھڑا تھا۔ موی شعیں گل ہو گئیں اور برف کے ہمین ذرات حید کے چہرے سے نکراتے رہے۔ آخر اس کا بھی دھی خش ہوا جو قاسم کا ہوا تھا۔

گرومی

گرومی فریدی کو گھور تارہ اور فریدی سوچ رہا تھا کہ شاندیہ ہو میں اس کا مستقل اڈہ ہے اور یہاں کا سارا عملہ اس کے ہاتھ میں ہے درست کسی دوسرے آدمی کو اس کی مصنوعی ڈاڑھی نوچنے کی جرأت کیسے ہوتی۔

فریدی نے بڑی بے پرواہی سے چاروں طرف دیکھا اور اپنے گالوں کے بنچ بھے بال صاف کر کے بڑا نہ لگا۔ ”یہ لا کا کھاں مر گیا۔ کتنی سردی ہے۔“

اس کی موچھیں اب بھی برقرار تھیں۔

گرومی کر کی گھیست کر اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔

”کون ہو تم؟“ اس بار اس نے سخت لجھے میں پوچھا۔

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ تمہیں اس سے کیا سروکار۔“ فریدی گھنگھلا کر بولا۔ ”یہاں کا۔“

فریدی کے چہرے پر اٹ دی۔

فریدی اچھل کر کھڑا ہو گیا اور قبل اس کے کہ گروی بھی اپنی کرسی چھوڑتا اس نے میزال دی۔ وہ کرسی اور میز سمیت فرش پر جا رہا۔ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے لیکن ان کی توجہ فریدی سے زیادہ گروی کی طرف تھی۔

فریدی کے لئے اتنا ہی موقع کافی تھا۔ وہ لوگوں کو بھیڑ میں ملا ہوا دروازے سے باہر نکلن گیا۔ لیکن اس نے وہاں سے چلا جانا مناسب نہ سمجھا۔

یہ ہوٹل شہر کے ایک ہٹرے پرے حصے میں تھا لیکن اس وقت وہاں قبرستان کا ساسنا تھا۔ سڑکوں پر آمد و رفت زیادہ نہیں تھی۔ کبھی کبھی ایک آدھ آدمی برف میں لاکھڑاتے نظر آ جاتے تھے۔ مکانات کی کھڑکیوں کے شیشوں تک پر دیزیر پردے کھینچ دیئے گئے تھے۔ چاروں طرف تاریکی کا راجح تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے زندگی بھی ٹھہر کر ساکت ہو گئی ہو۔

فریدی تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا ایک مکان کی پشت پر آیا اور اپنی مصنوعی موچھیں الگ کر دیں۔ سر سے بال دار ٹوپی اتار کر اسے الٹ لیا۔ بال پیشانی پر کھڑک رائی ٹوپی سر پر منڈھ لی۔ وہ چلوایک ہی بات ہے۔ گروی نے کہا۔ ”اسے یہاں رکھ دو اور میری بوتلیں بھی سیکھیں اٹھاؤ۔“ اسی پوتیں۔ تو وہ ایک عالم وضع کی تھی۔ ٹیکم گذھ کے پینکڑوں افرا کے پاس ویسی ہی پوتیں رہی ہو گی۔ اور پھر جب وہ روشنی میں آیا تو گروی بھی اُسے نہ پہچان سکا۔ فریدی کے قدم لاکھڑا رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہت زیادہ پی گیا ہو۔ ہوٹل کے باہر کھڑے ہوئے لوگوں نے اُسے دیکھا اور ہنسنے لگے۔ کیونکہ اس نے اپنی ٹوپی کا استر اوپر کر رکھا تھا۔

گروی کسی لکھنے کے کی طرح غریا۔ فریدی نے محسوس کیا کہ وہ اب تھا نہیں ہے۔ اس کے دو آدمی اور تھے۔ فریدی بھی ان کے قریب کھڑے ہوئے لوگوں میں مل گیا۔

”کیا کدھ...؟“ گروی کا ایک ساتھی کہہ رہا تھا۔

”میں نے نہیں دیکھا۔ آؤ چلیں۔“ گروی نے کہا اور تینوں ایک طرف چلے گے۔ بقیہ لوگ پھر ہوٹل میں چلے گئے۔ فریدی وہیں دیوار سے لگا کھڑا نہیں جاتے دیکھا رہا۔ جب وہ کافی دور تک گئے تو وہ بھی ان کے پیچھے روانہ ہو گیا۔

اسے زیادہ دیر تک نہیں چلانا پڑا۔ تقریباً دس منٹ بعد اس نے انہیں ایک بڑے مکان میں داخل ہوتے دیکھا۔

”تم بیچ کرنیں جا سکو گے۔“ گروی کی سرخ سرخ آنکھوں سے لویں سی نکتی معلوم ہونے لگیں رہیں۔ ”کیوں؟“ فریدی اپنی داہنی ہننوں میں حیکھلے انداز میں تان کر بولا۔

گروی جواب دینے کی بجائے اُسے گھوڑنے لگا۔

”سنودو نت۔“ فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔ ”اگر ڈاڑھی اکھڑا نے والا تمہارا ہی آدمی تھا میں تمہیں حشر تک معاف نہ کروں گا۔“

”ہونہہ...!“ پہلے گروی کے ہونٹوں پر بلکل سی مسکراہست نمودار ہوئی اور پھر یہ مسکراہست بدر تجہی اور بھی قہقہے میں تبدیل ہوتی گئی۔

فریدی خاموشی سے گھوڑا تارہ بنا لیکن انداز میں خوف کی بجائے شوخی تھی۔

وپیر کافی کی ٹڑے لایا لیکن میز پر ڈاڑھی والے گونہ پا کر ادھر اور ہر دیکھنے لگا۔

”کیا بات ہے؟“ گروی نے اُسے مخاطب کیا۔

”وہ ڈاڑھی والا کدھر ہوتا! سالا ہڑم ہو گیا۔“ ویژہ اسامنے بنا کر بولا۔

”چلو ایک ہی بات ہے۔“ گروی نے کہا۔ ”اسے یہاں رکھ دو اور میری بوتلیں بھی سیکھیں اٹھاؤ۔“

گروی کے اس روؤیہ پر فریدی کو اپنا پہلا خیال ترک کر دینا پڑا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ گروی اُسی پوتی سے معزز گاہک سے زیادہ نہیں۔

”اس شرافت کا شکریہ۔“ فریدی کافی انہیں تباہا کر بولا۔

گروی کچھ نہ بولا۔ اس کی بوتلیں بھی اسی میز پر آ گئیں۔ اس نے خالی بو تکوں کو بڑے سے اپنے سامنے رکھا اور چوٹھی بوتل سے گلاس میں انہیں لگا۔

”تم یہ نہ سمجھتا کہ میرے فولادی بچوں سے نیچ کر نکل جاؤ گے۔“ گروی بشارمیں کا گلہ ہونٹوں تک لے جاتے ہوئے رک کر بڑا لیا۔

”اپنی خیر مناؤ۔“ فریدی نے اسی انداز میں کہا۔ ”تمہارے آدمی نے میری ڈاڑھی اکھڑا اچھا نہیں کیا۔“

”وہ میرا آدمی نہیں تھا۔“ گروی چھپلا کر بولا۔ ”میں اُسے نہیں جانتا۔“

”تم جھوٹے ہو۔“ فریدی نے بڑے توہین آہیں لجھ میں کہا۔

”میا؟“ گروی غریا۔ وہ اُسے تھر آلود نظروں سے گھوڑا تارہ پر اس نے اپنے گلاس کی شرا

پھر تھوڑی دیر بعد فریدی اس مکان کی چھت پر تھا۔ لیکن اسے جلد ہی اپنی حماقت پر تباہ آنے لگا۔ مکان میں کوئی صحن نہیں تھا اس لئے اندر داخل ہونے کے امکانات کا سوال بھی نہیں تھا۔ البتہ فریدی نے آتش دان کی چینیوں کی تعداد سے مان کے کمروں کی تعداد کا اندازہ ضرور لگایا۔ جب وہ ایک چینی کے قریب سے گزر رہا تھا تو اسے کچھ آواز سنائی دیں جن میں سے اس نے گروہی کی آواز صاف پہچان لی۔

اس نے رک کر اپنے کان چینی سے لگادیے۔

”تم میں سے کون تھا جس نے اُس کی ڈاڑھی اکھاڑی تھی؟“ گروہی کی غراہت سنائی دی۔
کہنی سکتے تھے دوسرا آواز نہ آئی۔

”بولو.... کیا تم بھرے ہو۔“ گروہی ہی بولا۔

”کوئی نہیں.... ہم میں سے کوئی نہیں تھا۔“ کہنی آوازیں بیک وقت سنائی دیں۔
”کوئی باہر تو نہیں۔“

”کوئی بھی نہیں.... سب موجود ہیں۔“

”لیکن کیوں موجود ہیں۔“ گروہی علیٰ چھاڑ کر چیخا۔ ”تمہارا اس وقت یہاں کیا کام۔“

چند سیکنڈ خاموشی رہی پھر ایک آواز سنائی دی۔ ”سیٹل گھانی میں پولیس کا پھرہ ہے۔“

”ہم نے سوچا.... سیٹل گھانی۔“

”کچھ نہیں۔“ گروہی نے چیخ کر بولنے والے کی بات کاٹ دی۔ ”کام نہ رکنا چاہئے۔ میں کچھ نہیں جانتا۔... چلے جاؤ.... نکلو.... دنیا کے سارے گدھے میرے ہی پلے پڑے ہیں۔“

چند لمحوں کے بعد فریدی نے بہت سے قدموں کی آوازیں سنیں۔ پھر سننا چاہیا۔

وہ چینی کے قریب سے ہٹ کر چھت کے کنارے آگیا۔

یہ چیخ کے کچھ لوگ مکان سے نکل رہے تھے۔ یہ تعداد میں گیارہ تھے۔ فریدی انہیں اس وقت

تک دیکھتا رہا جب تک کہ وہ نشیب میں نہیں اتر گئے۔

پھر وہ بھی چکے سے اُتر اور ان کے چیچے روane ہو گیا۔ تعاقب کا مقصد محض یہ دیکھنا تھا کہ وہ لوگ کہہ رہے جاتے ہیں۔

گروہی نے بے چوں و چراحتیں کی۔ فریدی کو اس بات پر سخت حیرت تھی کہ گروہی ہوٹل

میں بھی پیتا رہا تھا اور اب بھی پی رہا تھا لیکن اس کی ظاہری حالت سے ہرگز ایسا نہیں معلوم ہوتا۔

لیکن موقع واقعہ پیش نہیں آیا۔ بس وہ بھتی کے باہر اکادکالو مژیوں کو شکار کرتے رہے۔ فریدی کو موقع تھی کہ وہ ان کے ذریعہ حمید اور قاسم کا سراغ پا سکے گا۔ وہ ان کی شکلیں بھی دیکھنا چاہتا تھا لیکن اندر ہیرے میں یہ بات ناممکن تھی۔ اس کے ذہن میں ان دونوں شکاریوں کی صورتیں محفوظ تھیں جن سے سیتل گھانی کے ایک غار میں مذہبیز ہوئی تھی اور جو آخر کار انہیں جل دے کر صاف نکل گئے تھے۔ اگر وہ دونوں واقعی گردی ہی کی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے تو پھر حمید اور قاسم کو پالینا مشکل نہ ہو گا۔ فریدی کو یقین تھا کہ اس غار میں پیش آنے والے واقعات کے ذمہ دار وہی دونوں شکاری تھے۔

فریدی انہیں شکار میں مشغول چھوڑ کر پھر مکان کی طرف پلاجہاں گروہی تھا۔ بارہ نج پکے تھے اور سنائے میں لو مژیوں کی آوازوں کے علاوہ اور کچھ نہیں سنائی دے رہا تھا۔ کبھی کبھی ایک آدھ فائر کی آواز بھی فضا میں لہرا کر رہ جاتی۔
گردی کے مکان کی کھڑکیوں میں اب بھی روشنی نظر آ رہی تھی۔ اس نے اندازہ لگایا کہ گردی تھا ہے۔ وہ اب بھی ایک کمرے میں بیٹھا شراب پی رہا تھا اور خالی بو تلیں اس نے بڑے سیلوق سے اپنے سامنے سجا رکھی تھیں۔

فریدی سوچنے لگا کہ کہیں قاسم اور حمید اسی مکان میں نہ ہوں۔ اس نے مکان کے آخری سرے کی ایک کھڑکی کا شیشہ توڑا اندر ہاتھ ڈال کر چھٹی گرائی اور پھر دوسرے لمحے میں وہ اندر تھا۔
یہاں سات چھوٹے چھوٹے کرے تھے، جو ایک کے علاوہ سارے خالی نظر آ رہے تھے اور ایک کمرے میں گردی اپنی خالی اور بھری بو تکوں کے ساتھ تھا۔

فریدی پورے مکان کا چکر کاٹ کر گردی کے کمرے کے سامنے رک گیا۔ مکان میں اُسے کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جو قانوناً قابل گرفت ہوتی۔ فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بڑی بے باکی ہے گردی کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ گردی کا منہ جیرت سے کھل گیا تھا۔ قبل اس کے کہ اس کا ٹھاٹھ جیب کی طرف جاتا، فریدی نے ریو اور نکال لیا۔

”اپنے دونوں ہاتھ میز پر رکھ لو۔“ فریدی نے کہا۔

گروہی نے بے چوں و چراحتیں کی۔ فریدی کو اس بات پر سخت حیرت تھی کہ گردی ہوٹل میں بھی پیتا رہا تھا اور اب بھی پی رہا تھا لیکن اس کی ظاہری حالت سے ہرگز ایسا نہیں معلوم ہوتا۔

تھا کہ وہ بہت زیادہ پی گیا ہے۔ فریدی کے داخل ہوتے ہی اس کے چہرے پر تحریر کے آثار ضرور سمجھ رہا ہوں۔ تم شائد ان شکاریوں میں سے ہو جو فزارو میں ٹھہرے ہوئے ہیں جن کے ساتھ پیدا ہوئے تھے لیکن اب وہ بالکل پر سکون نظر آ رہا تھا۔

”میرے بچے! بیٹھ جاؤ۔“ گروی نے بوتل سے شراب انڈیتھے ہوئے کہا۔ ”اب میں کچھ کچھ عورتیں بھی ہیں۔“

”تم کون ہو؟“ اُس نے بڑے ملامٹ لجھ میں پوچھا۔

”وہی جس کے منہ پر تم نے شراب پھینکی تھی۔“ فریدی نے کہا۔

گروی نے میز پر زور دے کر اٹھنا چاہا۔

”تکلیف نہ کرو۔“ فریدی خشک لجھ میں بولا۔ ”میں بہت پُر امن آدمی ہوں۔ لیکن چھیر دیئے جانے پر خونخوار بھی ہو جاتا ہوں۔ تمہیں میرے دونوں ساتھیوں کا پتہ بتانا پڑے گا۔“

”ساتھیوں کا پتہ... کیسے پتا تھی۔“

”گروی میں بہت پُر آدمی ہوں۔“

”آدمی نہیں.... بچے ہو۔“ گروی مسکرا کر بولا۔ ”بیٹھ جاؤ۔ میرے پاس شامپین کی چار پیشیاں ہیں... کچھ ملاوے کے یا سادی پیو۔“ میں تو ہمیشہ سادی پیتا ہوں۔“

تمہارے ساتھیوں میں سے نہیں تھے، جو ہمیں سیتیل گھائی کے ایک غار میں ملے تھے۔

”بچھے علم ہے! وہ میرے ہی آدمی تھے۔ انہوں نے تمہیں غرتاش کی پارٹی کا آدمی سمجھا تھا۔“

”نسن...!“ گروی اپنا نچلا ہونٹ چبا کر بولا۔ ”گروی کا بڑھا بھی خطرناک ہے۔ تم اپنا اصلی انہوں نے میرے دونوں ساتھیوں کو کسی طرح پکڑ لیا۔“

”بچھے کچھ سمجھنے کی ضرورت نہیں۔“ فریدی لا پرواٹی سے بولا۔ ”اور نہ میری تمہاری کبھی مطلب بیان کر جاؤ۔ تم شائد مجھے تھبا بچھے رہے ہو۔“

”میں نہیں جانتا کہ تمہاری غلط فہمی کس طرح رفع ہو گی۔“ گروی آہستہ سے بڑا بڑا اور پہلے کی لڑائی ہے۔ میں تو صرف اپنے ساتھیوں کی واپسی چاہتا ہوں اور یہ بتانا چاہتا ہوں کہ سیتیل گلاس سے منہ لگالیا۔

”اوہ وہ سفید بھوت۔“ فریدی کے لجھ میں ظری تھی۔ ”ان کے متعلق کیا کو گے۔“

”بیٹھ جاؤ نوجوان۔“ گروی کا بھر پھر نرم ہو گیا۔ ”ریو اور جیب میں رکھ لو۔ گروی میز پر گھونسہ مار کر بولاتے ہیں۔“

”بہت خوب۔“ فریدی نے ہلاکا سا تھقہہ لگایا۔ ”گروی صاحب! کسی پیشہ ور شکاری سے سے ان ہکلوں کا شائق رہا ہے۔ کیا تم غرتاش کے ساتھی نہیں ہو۔“

”غرتاش!“ فریدی نے بھنوں سکوڑ کر کہا۔ ”میں نہیں جانتا یہ کون ہے۔“

”تب پھر میرا تمہارا کیا واسطہ۔“

”اگر واسطہ نہیں تھا تو تمہارے کسی ساتھی نے میری ذرا ہمی کیوں اکھاڑی۔“

”غلط ہے وہ میرا ساتھی نہیں تھا۔“

”اگر نہیں تھا تو تم خواہ مجھے سے کیوں آہٹے ہے تھے۔“ فریدی نے اسے گھوڑتے ہوئے کہا۔

”میں نہیں جانتا۔“ گروی نے اپنے ہاتھ کو زور سے جھکایا اور میز پر رکھی ہوئی خالی بو تلیں

فریڈ پر گر کر ٹوٹ گئیں۔ فریدی کی حالت میں ذرا برا بر بھی تبدیلی نہ ہوئی۔
”اور وہ شب خوابی کا لبادہ۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”کیا وہ فزارو سے انگوہ کی ہوئی لڑکی
نہیں تھا۔“

”بند کر دی یہ بکواس ورنہ منہ توڑ دوں گا۔“ گروی جیج کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں فریدی
گویا انگارے بر ساری تھیں۔

”میٹھے رہو اور نہ میرا شتابہ کبھی خطا نہیں کرتا۔“ فریدی نے کہا۔ ”اگر یقین نہ ہو تو دیکھو
ساتھ ہی اس نے کمرے میں روشن موی شمعوں میں سے ایک پر فائز کیا۔ گولی اس کی اڑ ہو گا۔ گولی اڑا کر خود اطیان سے سیل گھٹائی میں شکار کھیلنا چاہتا ہے۔
پڑی اور وہ بجھ گئی لیکن اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔

”بہت اچھے۔“ گروی نے متیر ائمہ لیجے میں تعریف کی۔ ”واقعی تم بے مثال نشانہ باز ہو۔“ فریدی کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ ”میا تم نے اس کے کئی آدمیوں کو نہیں مار دالا۔“
اچھے لڑکے میں تمہارے ساتھیوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور وہ شب خوابی کا لبادہ۔ ”وہ جھوٹا ہے.... مکار ہے۔ ہم قاتل نہیں ہیں۔ لیکن غرتاش جب بھی میرے ہجھے پڑھ
دفتار گروی کی آواز گلوگیر ہو گئی اس کے ہوتٹ کا پنپنے لگا اور آنکھیں بھر آئیں۔ گیا میں اسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔“

”وہ میری لڑکی کا ہے۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”میں اسے تین سال سے اپنے سینے میں لے کر
لگائے ہوئے ہوں۔ شہروں میں اسے لاتا ہوں۔“ ”کیوں؟“

”پوچھتے ہو کیوں! میں تین سال سے اپنی لڑکی کا مامن کر رہا ہوں۔ مجھے اس کی لاش بھی نہیں
ملی۔ یہ لبادہ سیل گھٹائی کے ایک غار میں ملا تھا۔“

”آؤ۔“ گروی نے لاپرواں سے کہا۔ ”میا سے انگوہ کیا گیا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

فریدی اس کے پیچھے چلنے لگا۔ روپوراب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ ”ہاں.... اور میں....“ گروی اس کے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ وہ بچوں کی طرح پھوٹ
ایک کمرے میں آکر گروی نے ایک صندوق کھولا اور پھر شب خوابی کا ایک لبادہ ٹھکانہ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔ فریدی نے روپور جیب میں ڈال لیا اور اسے سہارا دے کر اسی کمرے میں
سیل گھٹائی کے سامنے کر دیا۔ نظر پڑتے ہی فریدی نے اسے پہچان لیا۔ حقیقتاً یہ وہی لبادہ تھا، جو اس لایا جا جاتا۔ لایا جا جاتا وہ اس سے پہلے تھے۔

پھر اس نے ایک گلاس لبریز کر کے گروی کی طرف سر کا دیا۔ ”اگر کوئی یہ ثابت کر دے کہ یہ لبادہ فزارو والی لڑکی کا ہے تو میں خود کشی کر لوں گا۔“ گروی
غم ناک لجھے میں بولا۔ ”گروی! مجھے افسوس ہے۔“ وہ اس کا شانہ تھکتا ہوا بولا۔ ”اب میں سب کچھ سمجھ گیا۔ خیر
دیکھ لیا جائے گا۔“

”خیر اس کی بھی شاختہ ہو جائے گی۔“ فریدی نے کہا۔ ”مجھے صرف اپنے ساتھیوں گروی خاموشی سے شراب پیتا رہا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اس نے فریدی کی
طرف دیکھ کر کہا۔“

”ہونہے۔“ گروی بڑے کھرد رے لجھے میں بولا۔ ”اگر لا شوں کی صورت میں واپسی ہو گی“ ”میں دس سال سے یہاں شکار کھیل رہا ہوں۔ لیکن یہ بھوت بہلی بار دکھائی دیئے ہیں۔“

تب بھی غیمت ہے ورنہ سیل گھٹائی میں لاپتہ ہو جانے والے شاکد قیامت ہی میں مل سکیں۔“

”غضا! ایک نئے خیال نے فریدی کے ذہن میں سر ابھارا۔
”یہ غرتاش کون ہے۔“ اس نے پوچھا۔

”غرتاش! تم غرتاش کو نہیں جانتے۔ کیوں کیا وہ فزارو میں مقیم نہیں ہے۔“

”فرارو میں۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”وہ بھاری چہرے والا تو نہیں۔“

”وہی ہے وہی ہے۔“ گروی سر ہلا کر بولا۔ ”اور مجھے یقین ہے کہ اسی نے تمہیں میرا پختا یا
ساتھ ہی اس نے کمرے میں روشن موی شمعوں میں سے ایک پر فائز کیا۔ گولی اس کی اڑ ہو گا۔ اب میں بالکل سمجھ گیا۔ وہ ہمیں لڑا کر خود اطیان سے سیل گھٹائی میں شکار کھیلنا چاہتا ہے۔

کچھ تجھ تجھ نہیں کہ تمہارے آدمیوں کو غائب کر دیئے میں اسی کا ہاتھ ہو۔“

”بہت اچھے۔“ گروی نے متیر ائمہ لیجے میں تعریف کی۔ ”واقعی تم بے مثال نشانہ باز ہو۔“ فریدی کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ ”میا تم نے اس کے کئی آدمیوں کو نہیں مار دالا۔“

اچھے لڑکے میں تمہارے ساتھیوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور وہ شب خوابی کا لبادہ۔ ”وہ جھوٹا ہے.... مکار ہے۔ ہم قاتل نہیں ہیں۔ لیکن غرتاش جب بھی میرے ہجھے پڑھ
دفتار گروی کی آواز گلوگیر ہو گئی اس کے ہوتٹ کا پنپنے لگا اور آنکھیں بھر آئیں۔“

”وہ میری لڑکی کا ہے۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”میں اسے تین سال سے اپنے سینے میں لے کر
لگائے ہوئے ہوں۔ شہروں میں اسے لاتا ہوں۔“

”میں بھی ساتھ چل رہا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں اسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔“

”آؤ۔“ گروی نے لاپرواں سے کہا۔ ”میا سے انگوہ کیا گیا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

فریدی اس کے پیچھے چلنے لگا۔ روپوراب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ ”ہاں.... اور میں....“ گروی اس کے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ وہ بچوں کی طرح پھوٹ
ایک کمرے میں آکر گروی نے ایک صندوق کھولا اور پھر شب خوابی کا ایک لبادہ ٹھکانہ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔ فریدی نے روپور جیب میں ڈال لیا اور اسے سہارا دے کر اسی کمرے میں
سیل گھٹائی کے سامنے کر دیا۔ نظر پڑتے ہی فریدی نے اسے پہچان لیا۔ حقیقتاً یہ وہی لبادہ تھا، جو اس لایا جا جاتا۔ لایا جا جاتا وہ اس سے پہلے تھے۔

پھر اس نے ایک گلاس لبریز کر کے گروی کی طرف سر کا دیا۔ ”اگر کوئی یہ ثابت کر دے کہ یہ لبادہ فزارو والی لڑکی کا ہے تو میں خود کشی کر لوں گا۔“ گروی
غم ناک لجھے میں بولا۔ ”گروی! مجھے افسوس ہے۔“ وہ اس کا شانہ تھکتا ہوا بولا۔ ”اب میں سب کچھ سمجھ گیا۔ خیر
دیکھ لیا جائے گا۔“

”خیر اس کی بھی شاختہ ہو جائے گی۔“ فریدی نے کہا۔ ”مجھے صرف اپنے ساتھیوں گروی خاموشی سے شراب پیتا رہا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اس نے فریدی کی
طرف دیکھ کر کہا۔“

”ہونہے۔“ گروی بڑے کھرد رے لجھے میں بولا۔ ”اگر لا شوں کی صورت میں واپسی ہو گی“ ”میں دس سال سے یہاں شکار کھیل رہا ہوں۔ لیکن یہ بھوت بہلی بار دکھائی دیئے ہیں۔“

میرے ایک دلیر ساتھی نے اس پر فائز بھی کئے تھے لیکن وہ خود دوسرے دن تیز قسم کے بلاپ نہیں دیکھ رہا ہے تو اس نے کروٹ لی اور اس سے اُسے یہ سمجھنے میں مدد ملی کہ وہ کینواس بتا ہوا کہ مر گیا۔ اب ہم ادھر جاتے ہی نہیں جدھر وہ ذکھائی دیتے ہیں۔ میں نے سنا ہے تم اکے اک اسٹرپچر پر لیٹا ہوا ہے جس پر بانس کی قچیاں لگا کر کمبل ڈال دیا گیا ہے۔ اُس نے کمبل کا کہنا دعا اٹھا کر باہر کی طرف دیکھا۔ اس کی مسلح آدمی نظر آئے جو اس کے اسٹرپچر سے کچھ دور نے بھی ان پر فائز کئے تھے۔ ”

”ارے کیسو! مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔“ حمید نے ایک سریلی قسم کی نسوانی آواز سنی۔

ایں.... ارے.... ہو۔ ”اس نے قاسم کی آواز سنی۔

آں لوگ جنت میں خارے ہیں۔ ”کسی نے پڑے فرم لجھے میں کہا۔

حمدیہ کی آنکھ کھلی تو پھر اُسی اندر ہیرے سے واسطہ پڑا۔ لیکن اس بارہ خود اس اندر ہیرے ساتھ ہی ساتھ حرکت کر رہا تھا۔ کافی دیر تک آنکھیں چھاڑنے کے بعد یہ بات اس کی سمجھ آئی کہ وہ حجج قبر میں لیٹا ہوا ہے اور وہ قبر حرکت کر رہی ہے اور اس کی اونچائی اتنی بھی نہیں کہ وہ اٹھ کر بیٹھ سکے۔

اُس نے گھبرا کر دو تین بار کلہ پڑھا اور اپنے دنیاوی اعمال یاد کر کے روشنیتے کا ارادہ کرتا تھا کہ ایک تیری بات اس کی سمجھ میں آئی یعنی وہ قبر کمل کی تھی اور اسے کچھ سمجھ رہا تھا کہ اپنے پرورہ میں مسلخ آدمیوں کے ساتھ تمیں تابوت تھے۔ احساں ہو رہا تھا۔ اس نے قبر کی چھت کو انگلی سے چھو کر دیکھا۔ وہ حقیقتاً کمل ہی تھا، جو اس کی تیرے تابوت پر نظر پڑتے ہی حید کی عاقبت روشن ہو گئی۔ اس میں ایک بڑی خوبصورت پر منڈھا ہوا تھا۔

اب جو اس نے غور کیا تو اسے بہت سے قدموں کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ تو کیا وہ اس کا جنازہ تھا؟ اس خیال سے پھر حید کی ٹھکھی بندھ گئی۔

مک جناب پر ملبل؟ وہ پھر سوچنے لگا۔ شاند سردیوں میں بیکی ہوتا ہو۔
”میں زندہ ہوں... بھائی۔“ اس نے ہانک لگائی۔ ”ارے... بھا... آ... آ... آ۔“ لذکی چنانیں پھیلی ہوئی تھیں۔ سورج شاند سرپر تھا۔
”چپ چاپ لیئے رہو۔“ کسی نے گرج کر کہا۔ ”تم مر گے ہو۔“
”ارے حمید بھائی۔“ حمید نے قاسم کی آواز سنی جو باقاعدہ رو رہا تھا۔ ”ہم مر گے ہیں۔ بالد نہیں معلوم ہوتی تھی۔“ قاسم نے بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارنے شروع کر دیے۔ اس کے سامنے اب کیا ہوگا۔ مر نے کے بعد... بھوک بھی تو خوب کھل جاتی ہے۔ مگر مرنے کے بعد پھر موہر مسلم بھیڑ کا پچھہ بھٹاکھا تھا۔
”نہیں آتی۔“

”حمدی بھائی۔“ وہ منہ پڑا تاہو ابولا۔ ”جیسے تو موت اور زندگی میں لوئی فرق ہیں دلخالی دیتا۔“
”حمدی نے خوب اچھی طرح اپنی آنکھیں ملیں اور چارزوں طرف دیکھنے لگا۔ پھر احتیاط آؤں۔
”فرق اور فتور تو دراصل تمہاری کھوپڑی میں ہے۔“ حمدی بھنا کر بولا۔
فودا نے ہم اتنے زور سے چٹکا رکا۔ آنکھیں نکلا دیں۔ ۲۔ اچھی طرف جا طرف۔ ۳۔

تیرت انگلیز سفر

حمدیہ کی آنکھ کھلی تو پھر اُسی اندر ہیرے سے واسطہ پڑا۔ لیکن اس بار وہ خود اس ساتھ ہی ساتھ حرکت کر رہا تھا۔ کافی دیر یہک آنکھیں بچاڑنے کے بعد یہ بات اآلی کہ وہ حقیقی قبر میں لیٹا ہوا ہے اور وہ قبر حرکت کر رہی ہے اور اس کی اوپر جائی اتنی کہ وہ اٹھ کر بیٹھ سکے۔

اس نے گھبرا کر دو تین بار کلمہ پڑھا اور اپنے دنیا دی اعمال یاد کر کے رو دیئے تھا کہ ایک تیری بات اس کی سمجھ میں آئی یعنی وہ قبر کمبل کی تھی اور اسے کچھ پوچھ احساس ہو رہا تھا۔ اس نے قبر کی چھست کو انگلی سے چھو کر دیکھا۔ وہ حقیقتاً کمبل ہی تھے برمنڈھا ہوا تھا۔

اب جو اس نے غور کیا تو اسے بہت سے قدموں کی آوازیں بھی سنائی دیں۔
تو کیا وہ اس کا جنازہ تھا؟ اس خیال سے پھر حید کی گھلٹی بندھ گئی۔

مکر جنائزے پر میل؟ وہ پھر سوچنے لگا۔ شائد سردیوں میں تھی ہوتا ہو۔

”چیز چاپ لیئے رہو۔“ کسی نے گرج کر کھا۔ ”تم مگئے ہو۔“

”اے حمد للہ!“ حسید نے قاسم کی آواز سے کچھ قیود ادا کیا۔

کا یو گام ن کرے ہے کچھ تاخ کھالتے گے۔

ب پا جو د رے سے بند ... بون ی ووب ل جانی ہے۔ مرزا لے نہیں آتا۔“

میں ایسے گھنے کا دیکھ کر اپنے

حمدی نے خوب اپنی طرح اپنی آنکھیں ملیں اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس

اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ان لوگوں کا رد یہ اُن کے نام
برائی نہیں تھا۔ آخر وہ کون تھے اور کیا چاہتے تھے۔ غار میں بھی انہوں نے ان کے ساتھ خود
کوئی بد سلوکی نہیں کی تھی حالانکہ وہ چاہتے تو انہیں بڑی آسانی سے مار دالتے۔ حمید نے لکھری
سے اُس لڑکی کی طرف دیکھا وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ کھانا اُس کے نامے بھی تھا۔ لیکن اُس
اُسے ابھی تک با تھ بھی نہیں لگایا تھا۔

حید سوپنے لگا کہ آخر وہ کون ہو سکتی ہے۔ دفعتاً سے فزارو کی اغوا والی بات یاد آ گئی۔
ذیزدہ فٹ لے بیرون کے نشانات..... کہیں یہ وہی لڑکی تو نہیں ہے فزارو سے بھکایا کیا تھا
سیستل گھائی میں بھوتوں کی موجودگی۔

یہ بات اُس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ بات کو اُس بھوت کی آمد پر چاروں طرف سے
غار میں برف کے ذرات کھا سے آگئے تھے۔ حید کو اچھی طرح یاد تھا کہ وہ ذرات اُس بھوت
کے جنم میں سے نکلنے تھے اور رفتہ رفتہ اُن کی مقدار اتنی بڑھ گئی تھی کہ حید کا دم گھٹنے لگا تھا۔

اگر وہ بھوت دراصل آدمی ہی تھا تو اُس کے با تھ اٹھاتے ہی برق کے ذرات کس طرز آپ بتائیں گے کہ ہنالوکس عرض البد پر ہے اور نیو فاؤنڈ لینڈ پر سال بھر کہر کیوں پڑتی رہتی ہے۔
اٹھنے لگتے تھے اور اگر وہ واقعی کوئی مافق الفطرت ہتھی ہی تھا تو ان آدمیوں سے اُس کا کیا تعلق۔
”میں بتا سکتا ہوں۔“ قاسم اپنی چھاتی ٹھونکتا ہوا بولا۔ ”نیو فاؤنڈ لینڈ پر کہر نہیں بلکہ باور پر جی
حید نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور پھر کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اُس کے خانوں کا دھوکا چھایا رہتا ہے۔ وہاں کے لوگ کھانے پکانے کے بہت شائق ہیں۔“

ہمراہی کافی مہذب اور مہمان نواز تھے۔ حید نے ایک بات اور محسوس کی۔ ان میں سے صرف چا
آدمی گفتگو کر رہے تھے بقیہ خاموش تھے اور وہ لوگ جو زیادہ تر خاموش رہتے تھے۔ اکثر آپس میں
کسی ایسی زبان میں گفتگو کرنے لگتے تھے جو حید کے لئے نی تھی۔ حید نے اندازہ لکایا تھا کہ «
چاروں ازوں بولنے والے تو وہی تھے جنہوں نے ان دونوں کو ایک غار سے نکال کر دوسرے غار
تک پہنچایا تھا۔

اُس نے لکھیوں سے اُس لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ خوفزدہ تھی۔ چاروں آدمی بڑے مہذب
طریقے پر اُن سے کھانا کھایتے کی استدعا کر رہے تھے۔

قاسم بھیڑ کا گوشت نوچنے میں منہک ہوا گیا تھا
”وزرا تھا روز کر۔“ حید نے اُسے داشک
”پتہ نہیں پھر کب ملے۔“ قاسم مالیوں سے بولے۔

”گھبرا یے نہیں۔“ چاروں میں سے ایک نے کہا۔ ”ہمارے پاس کافی ذخیرہ ہے۔“

”تو کیا ہم جو محمر گئے ہیں۔“ قاسم نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

”جی ہاں! لیکن آپ کو کچھ دور پیدل چلتا پڑے گا۔ ہمارے آدمیوں میں اتنی سکت نہیں۔“

”جب تو پھر بڑی جلدی بھوک لگ جائے گی۔“ قاسم نے اوس لمحے میں کہا۔

”فکرنا سمجھ۔ کھانے کا سامان بہت ہے۔“

”یہ کیا ذراق ہے۔“ دفتاراً لڑکی چھپی۔ ”میں پاگل ہو جاؤں گی۔“

”میا یہ بھی مر گئی ہے۔“ قاسم نے آہستہ سے پوچھا۔

”جی ہاں۔“ ساتھی نے جواب دیا۔

”تو کیا مر نے کے بعد بھی آدمی پاگل ہو سکتا ہے۔“

”پتہ نہیں۔“ ہمراہی نے کہا اور پھر حید سے پوچھا۔ ”کچھ اور چاہتے۔“

”جی ہاں! تھوڑی سی انبوں تاکہ میں اپنی موت سے اچھی طرح محافظ ہو سکوں۔ ویسے کیا

اٹھنے لگتے تھے اور اگر وہ واقعی کوئی مافق الفطرت ہتھی ہی تھا تو ان آدمیوں سے اُس کا کیا تعلق۔

”میں بتا سکتا ہوں۔“ قاسم اپنی چھاتی ٹھونکتا ہوا بولا۔ ”نیو فاؤنڈ لینڈ پر کہر نہیں بلکہ باور پر جی

حید نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور پھر کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اُس کے خانوں کا دھوکا چھایا رہتا ہے۔ وہاں کے لوگ کھانے پکانے کے بہت شائق ہیں۔“

لڑکی کے چہرے پر بکلی سی سکراہٹ پھیل گئی۔

”آپ بھی کھا لیجیئے تا۔“ حید نے اُس سے کہا۔

”آپ کون ہیں۔“ لڑکی نے پوچھا۔

”میں بھی آپ ہی کی طرح آدمی ہوں اور میری موت سیستل گھائی میں واقع ہوئی تھی شام دل

آپ کا انتقال فزارو میں ہوا تھا۔“

”جی ہاں! میں فزارو ہی میں تھی بلکن یہ سب بکواس ہے۔ یہ لوگ نہ جانے کون ہیں اور

ہمیں نہ معلوم کہاں لے جا رہے ہیں۔“

”ہم جنت میں جا رہے ہیں حید بھائی۔“ قاسم نے کہا۔

”چپ رہو۔“ حید نے اُسے داشک۔

”ہائیں! مجھے ذائقہ ہو۔ اٹھا کر بخ دوں گا۔“ قاسم کھانا چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

”کون! کیا بک رہے ہوں“

”اُرے وہی جواب بھی اپنے جنازے پر سوار ہے۔“

”قاسم۔ کیا تم داقی یہی سمجھ رہے ہو کہ تم مر چکے ہو۔“

”اور کیا... مگر مجھے ذرہ برابر بھی افسوس نہیں ہے۔ بھلا تکلیف ہی کون ہی ہے۔ جنت میں

مگری مگری عورتیں... وہ دیکھو حمید بھائی پھر نہیں رہی ہے۔“

”تم زندہ ہو قاسم! اگر ذرا سی بھی بہت کرو تو ہم آزاد ہو سکتے ہیں۔“

”خشنے... خشنے... بس معاف کرو۔ تمہیں یقین کیوں نہیں آتا۔ رات دیکھے چکے ہو۔ رات تم

آئی نے مجھے در غلایا تھا۔“

”تم پاگل ہو گئے ہو۔“ حمید جھنگھلا کر بڑا۔

”پاگل ہی سکی۔ وہ پھر نہیں۔“

وہ چلتے رہے حتیٰ کہ شام ہو گئی۔ سورج افق میں ہٹکنے لگا۔ نگلی چنانوں پر شام کی سرخ سرخ

دھوپ بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ خلکی بھی پہلے سے بڑھ گئی تھی۔ لیکن حمید اب سب میں دیکھی

لینے کے موڈیں نہیں تھے۔ پہلازی راستوں کی تھکنے سے وہ نہ ھال ہو چکا تھا۔ قاسم کا بھی بڑا حال

تھا۔ مگر شاند جنت کی مگری مگری عورتوں کے خیال نے اس کا حوصلہ ٹوٹنے نہیں دیا۔

سورج غروب ہونے کے بعد بھی وہ چلتے رہے شاید انہیں کسی خاص منجھ پر پہنچنا تھا۔

ہمراہیوں نے تیر چلانا شروع کر دیا تھا۔ حمید اور قاسم بھی ان کے ساتھ گھست رہے تھے۔

چھر انہی پھر اپنے بھیل گیا اور ہمراہیوں نے نار چیں نکال لیں۔

تقریباً آدھ گھنٹہ چلتے رہنے کے بعد وہ ایک جگہ رک گئے۔ قیلوں نے سامان اٹا را اور پھر وہ

سب ایک غار میں اتر گئے۔ یہاں موی شمعیں روشن کر دی گئیں۔ یہ غار بھی اندر سے فن تعمیر کا

ایک بہترین نمونہ تھا۔ دیواروں پر اعلیٰ قسم کی نقاشی تھی اور ایک جگہ سنگی منصب پر مہاتما بده کی

مورتی نسب تھی۔ غالباً یہ ہزاروں سال قبل بدھ درویشوں کا منظر رہا ہوا۔

اچانک حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی ساری تھکنے رفع ہو گئی ہو۔ موی شمعوں کی ٹھنڈی

روشنی، مہاتما بدھ کی پر سکون مسکراہٹ کے ساتھ اس کی روح کی گہرائیوں میں اتری چارہ ہی

تھی۔ وہ یہ بھی جھوول گیا کہ وہ کسی کا قیدی ہے۔ کچھ اجنبی اسے کسی نامعلوم منزل کی طرف لے

جاتا ہے ہیں۔ معلوم نہیں وہ کون ہیں اور اس سے کیا چاہتے ہیں۔ اسے اپنے انجام کا بھی اندر یہ شہر نہیں تھا اس کی روح اب سے ہزاروں سال پہلے کی دنیا میں بھکنے لگی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس غار میں تھا ہو جیسے وہ بھی موی شمعوں کی طرح پکھا جا رہا ہو۔۔۔ تھا۔۔۔ بلکل سرخ روشنی بدھ کا ملکوتی تبصہ۔۔۔ ان کے علاوہ وہاں اور کچھ نہیں تھا پھر حمید کو محسوس ہوا جیسے وہ قہقہے لگ رہا ہو۔ مگر بے آواز جیسے وہ رقص کر رہا ہو۔ مگر اعضا بے حرکت۔۔۔ وہ حیچ رہا تھا۔۔۔ وہ رقص کر رہا تھا۔ لیکن اس کی زبان کے قریب گھنٹیاں سی نجاحیں۔ حمید چونک پڑا۔ اس کی ہم سفر اس کے پہلو میں کھڑی مورتی کو بڑی عقیدت سے دیکھ رہی تھی۔

حمدی نے سر ہلا دیا۔ اس کی روح اب بھی پرانی دنیا میں بھٹک رہی تھی۔ اس کی ہم سفر کا چہرہ بلکل سرخ روشنی میں چمک رہا تھا۔ حمید کے ذہن میں قدیم مندروں کی مٹھوں کی دیودا سیوں کا تصور اُبھرا۔۔۔ اور وہ اسے اس لقدس آمیز روشنی میں کوئی مقدس نہ کوئی معلوم ہونے لگا۔

”آپ کون ہیں۔“ لڑکی نے پوچھا۔

”میں....!“ حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

لڑکی اسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

”آپ لوگ اتنے مطمئن کیوں ہیں۔“

”اوہ.... بھی وہاں۔“ بیک وقت حمید کو ہوش آگیا۔ اس نے چاروں طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا۔ ”صلحت۔“

غار میں قاتلے کے سازے افراد موجود تھے لیکن وہ شب بزرگی کے انتظام میں اس طرح مصروف تھے کہ انہوں نے ان دونوں کی طرف دھیان نہیں دیا۔ پھر وہ دنیا ہی نہیں چانتے تھے۔ ”نہ جانے ہم کہاں اور کیوں لے جائے جائے ہیں۔“ لڑکی نے کہا۔

”آپ ان لوگوں کے ہاتھوں میں کس طرح پڑی تھیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”تجھے کچھ یاد نہیں۔ میں ایک رات اپنے کمرے میں سوئی تھی۔ آنکھ کھلی تو میں وہاں ہونے کی بجائے ایک غار میں تھی۔“

”فرازوں میں تین شکاری مقیم تھے۔“ حمید نے پوچھا۔

”بھی وہاں... نتھے تو۔“

”اُن کے متعلق آپ کا خیال ہے۔“

”اوہ... وہ بہت شریف تھے۔“

”پچھلے سال گروئی نام کا کوئی شکاری فزارو میں ٹھہرا تھا۔“

”بھی ہاں... اور وہ یقیناً اچھا آدمی نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں اس سیزن میں ہمارے یہاں نہیں ٹھہرا۔“

”میوں وہ اچھا آدمی کیوں نہیں تھا۔“

”ہر وقت شراب پیتا رہتا تھا۔ جگڑا اور غصہ در تھا۔“

”ہوں....!“ حمید کچھ سوچنے لگا۔

”حید بھائی... کھانا کھاؤ۔“ قاسم نے اسے آواز دی۔

”بہر حال۔“ حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”بہتری اسی میں ہے کہ ہم لوگ چپ چاپ چلتے رہیں اور آپ کھانا نہ چھوڑیے۔ میرے ساتھی کو دیکھئے کرتا ماست ہے۔“

”احمق معلوم ہوتے ہیں۔“ لڑکی مسکرانی۔

پھر وہی غار

گروئی کی فراہم کردہ معلومات میں اصلیت رہی ہو یا نہ رہی ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ فریدی نے جو کچھ بھی کہا اس سے ملنے کے بعد ہی کہا۔ ٹیکم گڈھ پولیس کے گذشتہ ریکارڈ میں اسے بعض حیرت انگیز باطنیں ملیں۔ موواتر کی سال سے سر دیوں کے موسم میں بہترے آدمی غائب ہو جاتے تھے۔ بوڑھوں اور بچوں کے غائب ہونے کی کوئی روport کبھی نہیں درج کرائی گئی تھی۔

فریدی نے اپنے ساتھیوں کو فزارو سے ہٹادیا اور خود وہیں مقیم رہا۔ اس کی تجویز قویہ تھی کہ سب لوگ زاپس چلے جائیں لیکن کسی نے بھی اسے مظور نہ کیا۔ پھر اس نے صرف عورتوں کی والی بی پر زور دیا لیکن یہ بات بھی رد کر دی گئی۔

فزارو میں غرتاش اور اس کے ساتھی اب بھی مقیم تھے۔ حالانکہ گروئی نے ان کے خلاف کافی زہر اگلا تھا لیکن فریدی کے پاس ان کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہیں تھا۔ بلکہ وہ ان سے

ہوشیار ضرور رہتا تھا۔

وہ اس بات کے امکانات پر بھی غور کرتا رہا تھا کہ وہ حرکت تیسری پارٹی کی بھی ہو سکتی ہے۔ یہ بات تو اس پر واضح ہو گئی تھی کہ اس دن اُس کی مصنوعی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے والا گروئی کی پارٹی کا آدمی نہیں تھا کیونکہ وہ اُس نے ساتھیوں کی اور اُس کی گفتگو چھپ کر بھی سن چکا تھا۔ سیئن گھٹی سے پولیس کا پہرہ ہٹالیا گیا تھا اور یہ فریدی ہی کی ایماء پر ہوا تھا۔ آج دوپہر کو بھی کافی برف باری ہوئی تھی اور شام تک آسمان بادلوں سے ڈھکا رہا تھا۔ لیکن رات ہوتے ہی بادل پھٹ گئے تھے اور برف کی سفید چادر پر کبھی کبھی چاندنی کی نشکنیں نظر آنے لگتی تھیں۔ فریدی شام ہی سے ایک غار میں جا گھسنا تھا۔ آج اُس کے ارادے حقیقتاً خطرناک نظر آرہے تھے۔ اُس کے پاس آج رانکل کی بجائے نایی گن تھی اور کاندھے پر ایک بہت بڑا جال تھا کیا ہوا پڑا تھا۔

غار میں اندر ہر اتحا اور فریدی ایک کونے میں دپکا ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اُسے غار میں کسی دوسرے آدمی کے داخلے کی توقع تھی۔ اُس کی آنکھیں دراصل ایک سوراخ سے لگی ہوئی تھیں، جو تھیک اُس بگد کے سامنے تھا جہاں اُسے بہوت دکھائی دیتے تھے۔ فریدی تھا تھا اُس کے ساتھیوں نے اس جنم میں حصہ لیتا چاہا تھا لیکن فریدی نے انکار کر دیا تھا۔ غزالہ توہاب تک اُس کی مخالفت کرتی رہی تھی۔

جس غار میں فریدی اس وقت بیٹھا تھا یہ بھی اُس کی ایک پرانی دریافت تھی۔ لیکن وہ اس بات پر مطمئن نہیں تھا کیونکہ دوسرے لوگ بھی اس سے واقعہ ہو سکتے تھے۔ تھیک دس بجے اس غار کے دہانے پر قدموں کی آواز سنائی دی۔ یقیناً کوئی اُسی غار میں گھسنا ہوا تھا۔ فریدی سوراخ چھوڑ کر ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں ہو گیا، جو غار کے آخری سرے سے تھوڑا ہی ہٹا ہوا تھا۔

آنسے والے نے نارق روشن کی اور غار کا جائزہ لیتا رہا۔ فریدی پتھر کی اوٹ میں ہونے کی وجہ سے روشنی کی زد سے باہر تھا۔ اُس نے محسوس کیا کہ آنے والا بھی اُسی پتھر پر بیٹھ گیا ہے جس پر تھوڑی دیر قبل وہ خود بیٹھا ہوا تھا اور غالباً وہ اسی سوراخ سے جھاک بھی رہتا تھا۔ فریدی چپ چاپ پڑا زہرا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد خود اسے اپنی ناکارگی کھلنے لگی وہ سوچ رہا تھا کہ

آخر یہ کون ہو سکتا ہے اب نے کچھ دیر اور انتظار کیا لیکن جب دیکھا کہ وہ بھی تک اسی طرح بیٹھا ہوا تھا تو اس نے پتھر کی اوٹ میں دبکے رہنا مناسب نہ سمجھا۔

وہ چپکے سے اچھا اور نایگی گن کی نال اس کی پیٹھ پر رکھ دی۔

”خاموش“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”اپنے ہاتھ اور اٹھاؤ۔“

اس نے بے چوں وچا تتمیل کی۔ فریدی نے تاریخ نکالی اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ سے حیرت زدہ سی آواز نکل گئی۔

یہ فزارو کا شیر تھا اور اس کے چہرے پر اب بھی وہی مخصوص مسکراہت تھی۔

”آپ یہاں کیسے؟“ فریدی پنے پوچھا۔

”تیکی سوال میں آپ سے بھی کہنا سکتا ہوں۔“ فیجر نے مسکرا کر کہا۔

فریدی کوطمیان تھا کہ وہ اسے پیچانے کے کا کیونکہ اس نے میک اپ کر رکھا تھا اور یہ میک اپ معمولی نہیں بلکہ اس کا مخصوص ترین میک اپ تھا جو ایکو یا کے بغیر گوہی نہیں سکتا۔

”آپ شاند فزارو کے نجیب ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”اور میرے خیال سے یہ کوئی بُری بات نہیں۔“

”میں پوچھتا ہوں تمہارا یہاں کیا کام۔“ فریدی نے گرج کر پوچھا۔

”اوہ... آپ کون ہیں۔“

”میری بات کا جواب دو۔“ فریدی نے کہا۔

”اول تو آپ کی بات ہی میری سمجھ میں نہیں آئی۔“ فیجر سیندیگی سے بولا۔ ”دوسری بات یہ کہ آپ اس قسم کے سوالات کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ ویسے اخلاقاً میں آپ کو یہ بتا سکتا ہوں کہ ڈیڑھ فٹ لے پیروں والے بہوت دیکھنے کی خواہش مجھے یہاں لائی ہے۔“

”آپ کون ہیں جناب والا۔“ اس نے بڑی خوش اخلاقی سے پوچھا۔

”اور تمہیں یقین ہے کہ وہ یہیں سے دکھائی دیں گے۔“

فیجر نے کوئی جواب نہ دیا اور فریدی یہ بھی نہ محسوس کر سکا کہ دوسرے لمحے میں یقیناً اس کا ہاتھ اس نے تاریخ والے ہاتھ پر پڑے گا۔

ساتھ ہی ایک بھرپور گھونسہ بھی فریدی کے جڑے پر پڑا۔ نایگن بھی اس کے ہاتھ سے

نکل گئی اور پھر وہ بھوتوں پر جال ڈالنے کی حرمت دل ہی میں لئے ہوئے چند لمحوں کے لئے بھس و حرکت ہو گیا کیونکہ گرتے وقت اس کا سر پتھر سے نکلا گیا تھا۔

جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ پانچ چھ مسلسل آدمی اپنے ہاتھوں میں مشعلیں اٹھائے اس کے گرد کھڑے ہیں لیکن ان میں فرار و کافی نہیں تھا۔ فریدی نے چپ پنچاپ پڑے ہی رہنا مناسب سمجھا کیونکہ وہ بالکل تھا ہو چکا تھا۔

وہ کچھ دیر تک کھڑے سر گوشیاں کرتے رہے۔ پھر چار آدمیوں نے مل کر فریدی کو اٹھایا مشعلیں بھادی گئیں۔ بالکل اندر چھا گیا اور اب فریدی کے لئے باقاعدہ طور پر آنکھیں کھلی رکھنا تعیی آسان ہو گیا تھا۔

غار سے نکل کر وہ لوگ چانوں کے سلسلے کے بینچے ہی بینچے پچھم کی طرف بڑھنے لگے۔ کئی بار فریدی کا دل چاہا کہ ان سے الجھ پڑے اور اب حقیقتاً وہ اس پوزیشن میں تھا کہ ان سے اکیلے ہی پہنچ سکتا تھا کیونکہ اس کا ہاتھ ایک اٹھانے والے کے ہولسٹر میں بھول رہا تھا اگر وہ چاہتا تو بہ آسانی اس کے ہولسٹر سے روپا اور نکال لیتا۔ لیکن وہ اپنی طبیعت پر جبرا کرتا رہا۔

کچھ دو رچنے کے بعد وہ ایک غار میں گئے اور انہوں نے پھر مشعلیں روشن کر لیں۔ فریدی کو آنکھیں بند کر لیتی پڑیں لیکن اس کی پلکیں اب بھی ذرا سی کھلی ہوئی تھیں۔

تحوڑی دیر کے بعد اس نے محسوس کیا کہ وہ ایک سرگ میں داخل ہو رہے ہیں۔ اسے سرگ ہی کہا جا سکتا تھا کیونکہ یہ راستہ کی طرح سے بھی غیر مطح نہیں تھا۔ یقیناً یہ ایک انسانی کارنامہ تھا۔

سرگ سے گذر کر وہ ایک مٹھ میں پہنچے۔ فریدی کو فرش پر ڈال دیا گیا اور ایک آدمی کے علاوہ اور سب وہاں سے چلے گئے۔ ایک بار پھر فریدی کے دل میں آئی کہ کچھ کرنا ہی چاہئے لیکن اس نے اس خواہش کو زیادہ نہ ابھرنے دیا۔ بل وہ بے حس و حرکت پڑا۔ وہاں رک جانے والا آدمی اس کے پیروں کے پاس کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ اگر انہیں اسے مارڈا ناہی مقصود ہوتا تو وہی ختم کر دیتے۔ آخر وہ اسے یہاں کیوں اٹھا لائے ہیں۔ دفعتاً اسے ٹیکم گذھ پوپیں آفس کے پرانے فالی یاد آگئے جن میں اس نے مردوں اور عورتوں کے انعام کی روپورثیں دیکھی تھیں۔ گروہی کے غائب ہو جانے والے ساتھی یاد آئے جن کی لاشیں نہیں مل

سکی تھیں اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ کہ ابھی حال ہی میں قاسم اور حمید بھی اسی سیتھ گھاٹ میں غائب ہو گئے تھے۔

”میں کہاں ہوں۔“ اس نے اپنے قریب ہی ایک نواحی آواز سنی۔

یہ بھی گویا مجرہ ہی تھا کہ آواز کی طرف فریدی کی گردان نہیں گھومی۔ ورنہ ایسے موقعوں پر سرزد ہونے والے افعال سو فیصدی اضطراری ہوتے ہیں اور ان میں ارادے کو قطعی دخل نہیں ہوتا۔ اس کے قریب کھڑے ہوئے آدمی نے آہستہ سے کچھ کہا جسے فریدی نہ سن سکا۔

”تم کون ہو... میں کہاں ہوں۔“ آواز پھر آئی۔ لیکن فریدی کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا کیونکہ وہ آواز فرزانہ کی تھی۔ فریدی اس آواز کو بزراروں میں پہچان سکتا تھا۔ کیونکہ اسے اس آواز سے نفرت تھی۔

اب بھی اس نے اپنی حالت میں کوئی تغیر نہ پیدا ہونے دیا۔ فرزانہ شاکد کھڑی ہو گئی تھی۔

”ترشیف رکھئے۔“ اس آدمی نے کہا۔ آپ محفوظ ہیں۔ تشویش کی بات نہیں۔“

فرزانہ بڑھ چانے لگی لیکن وہ آدمی خاموش رہا۔ لیکن جب فرزانہ باہر نکل جانے کے لئے درست پے کی طرف چھپی تو اس نے بڑے پر سکون لجھے میں کہا۔

”اُدھر موت ہے۔“

فرزانہ یک رک گئی۔ فریدی اب بھی چپ چاپ پڑا رہا۔ وہ اس ذرا سے کے درمرے میں کا منتظر تھا۔

ٹھوڑی دیر بعد بقیہ لوگ پھر واپس آگئے۔ ان کے ساتھ دو عدد اسٹرپپر تھے۔ ان میں ”آدمیوں نے فرزانہ کو پکڑ لیا اور ایک نے اس کے بازو میں کسی چیز کا نجاشن دے دیا۔ فرزانہ چھپنے رہی وہ اب بھی کافی مغلق الفاظ میں ان لوگوں کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔ نہ جانے کس طرح فریدی اپنی ہنسی ضبط کئے رہا لیکن اس وقت اس پر پہ بات روشن ہو گئی کہ فرزانہ عادتاً بڑے بڑے الفاظ بولتی ہے اس کا مقصد خود نہیں۔“

آہستہ آہستہ فرزانہ کی آواز دیتی گئی اور پھر سکوت طاری ہو گیا۔

فریدی اور فرزانہ کو اسٹرپپروں پر ڈال کر وہ لوگ پھر چل پڑے۔

اس بارہ جس سرگ میں داخل ہوئے تھے کافی طویل معلوم ہوتی تھی۔ چار آدمیوں نے

فریدی اب بھی خاموش تھا لیکن اسٹرپپروں کے استعمال ہی سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ سر لبا معلوم ہوتا ہے۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد وہ سرگ سے باہر نکلے۔ فریدی نے گردان گھما کر دیکھا دو آدمی سرگ کے دہانے کو بند کر رہے تھے۔ یہاں فریدی پر دو تین سکل ڈال دیئے گئے لیکن جیسے ہی وہ لوگ رو انہے فریدی نے منہ کھول دیا۔

بادل بالکل ہی پھٹ گئے اور نکھری ہوئی چاندنی میں پہلیاں نہاگئی تھیں۔ سنائی میں صرف قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس سے فریدی نے اندازہ لگایا کہ شاید اس طرف برف باری نہیں ہوئی ورنہ قدموں کی آوازوں میں اتنی گونخفہ ہوتی۔

فریدی کا دل دھڑک رہا تھا۔ خوف سے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ وہ عنقریب کسی بہت ہی گھرے راز سے دوچار ہونے والا ہے۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ لوگ اسے کہاں لے جائیں گے اور اس سے کیسا برداشت کریں گے۔ فرزانہ کے ساتھ بھی ان لوگوں نے کسی قسم کی سختی نہیں کی تھی اور شاندار انجخشی میں اس نے دیا تھا کہ وہ بے ہوش ہو جائے اور اسے ان راستوں کا علم نہ ہو سکے جن سے وہ کہیں اور لے جائی جانے والی تھی۔

اسے بھی فطرت کی ستم طریقی ہی کہنا چاہئے کہ سردی کی شدت کے باوجود بھی فریدی کی پلکش نہیں سے بو جھل ہوتی جاری تھیں۔ فریدی نے نہیں کے خلاف ذاتی جگہ شروع کر دی۔ وہ رات بھر چلتے رہے اور فریدی جائیں۔ وہ اپنے ذہن میں مستوں کے نقشہ مرتب کرتا جا رہا تھا۔ صبح ہوتے ہوئے فرزانہ کو ہوش آگیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتی رہی۔ فریدی کا اسٹرپپر اس کے اسٹرپپر کے برابر ہی تھا۔ اس نے اس کی سہی ہوئی شکل دیکھی اور سوچنے لگا کہ آخر وہ کس طرح پھنس گئی کیا اسے نہر کے مکان سے کال کر لایا گیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو دوسرا یور تیس بھی محفوظ نہیں۔

صحیح کے ناشتے کے لئے وہ لوگ رک گئے۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ اس کے مسلح ہماری انہیں اطاعت شمار قسم کے غلاموں کی طرح پویش آ رہے تھے۔ فرزانہ انہیں برا بھلا کہہ رہی تھی

لیکن ان میں سے کسی کی پیشانی پر شکن نہیں تھی۔

”آپ ان لوگوں کے ہاتھ کس طرح لیں۔“ فریدی نے فرزانہ سے کہا۔ ”میرا خیال میں نے آپ کو فرار و میں دیکھا تھا۔“

”میں کچھ نہیں جانتی.... میں ایک پولیس آفسر کے بیہاں تھی.... اور ایک دوسرا پولیس آفسر کی خلاش میں فرار و آئی تھی۔ فرار و سے والی پربائی آسمانی کی طرح کوئی الجایل والی چیز مجھ پر گری اور پھر مجھے کچھ یاد نہیں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد فرزانہ نے پوچھا۔ ”آخر یہ کون ہیں اور ہمیں کہاں سے جا رہے ہیں۔“

”پتہ نہیں۔“ فریدی نے سر بلادیا۔

”آپ کون ہیں۔“

”میں.... ایک شکاری ہوں۔ مگر یہ لوگ بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں۔“

اس سفر میں کمی بار ہمراہ یوں فریدی سے پیدل چلے کی استدعا کی لیکن اس نے اس منظور نہ کیا۔ اس نے اپنے گھنٹوں میں تکلیف کا بہانہ کر کے اسٹرپچر ہبی پر پڑے رہنا مناسب سمجھا۔ البتہ کسی جگہ قیام ہونے کی صورت میں وہ لنگڑا لنگڑا کو تھوڑا بہت ٹہل ضرور لیتا تھا۔

فرزانہ نے اپنی فصح اور یقین تقریب و سے اس کا ناظر بند کر کھاتا۔ لیکن کبھی کبھی اس پر نہ کا دوڑہ بھی پڑ جاتا تھا۔ فریدی نے اسے اب تک نہیں بتایا تھا کہ وہ کون ہے۔ ویسے وہ اسے تسلیاں ہتی دیتا رہتا تھا۔

تیسرے دن وہ اسی وادی میں پہنچ گئے جہاں قاسم نے ایک فیصلہ کن جگ کی تھی۔ لیکن فریدی کے ہمراہی بہت زیادہ سر اسکے نظر آنے لگے تھے کیونکہ وادی کے نشیب میں باسا ہوا گاؤں دیران نظر آرہا تھا اور وہاں انہوں نے کچھ لاشیں بھی دیکھیں پھر جب وہ اس سنگی عمارت میں داخل ہو گئے تو ان میں سے کئی کے منہ سے چینیں نکل گئیں۔ حالانکہ وہ کافی تھے ہوئے تھے لیکن انہوں نے قیام نہ کیا۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ وہ جلد سے جلد اس وادی سے نکل جانے کی کوشش کر رہے ہیں؛ انہیں عمارت میں بھی پندرہہ میں لاشیں نظر آئی تھیں اور ان کی بدبو کی وجہ سے پوری عمارت میں کہیں بھی ناک نہیں دی جا رہی تھی۔

فرزانہ کے تو حواس غائب تھے۔ اس نے جو چپ چاپ سادھی تو پھر فریدی کے متوجہ کرنے پر بھی اس کے منہ سے آواز نہ تکل سکی۔ نہ اب وہ ہمراہ یوں کو برا بھلا کہہ رہی تھی اور نہ اپنے ڈیڈی کو یاد کر کے روئی تھی۔

قاسم کی درندگی

تیسرے دن قافلہ ایک سر سبز وادی میں داخل ہو رہا تھا اور یہاں سے شاکن پیدل چلنے والوں کی صعوبتوں کا خاتمہ ہو جانے کو تھا وہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرے۔ یہ گاؤں تیس چالیس چھوٹے چھوٹے جھوپڑوں پر مشتمل تھا۔ وسط میں پتھر کی عمارت تھی۔ قاسم، حمید اور وہ لڑکی عمارت کے اندر لے جائے گئے اور یہاں بھی ان کے ساتھ کوئی بد سلوک نہیں کی گئی۔

دوپھر کا کھانا ان کے سامنے لگایا گیا۔ تو ایک بہت چھوٹے سے قد کا مخڑہ آکر اچھلنے کو دنے لگا۔ غالباً وہ ان کا دل بہلارہا تھا۔ قاسم بے تحاشہ قیچیہ لگا رہا تھا۔ حمید کو مسکرانے کی بھی فرصت نہیں تھی اس کا ذہن اس عجیب و غریب سفر کی نویست میں الجھ کر رہا گیا تھا اور ہر لحظہ اسے کسی اچاک حادثے کا اندریشہ پریشان کئے رہتا تھا۔

اس عمارت میں پہلے سے بھی کچھ آدمی موجود تھے اور ان کا رویہ بھی انتہائی خادمانہ تھا۔ ان میں سے کسی نے ایک بار بھی ہمراہی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کرنا دیکھا۔ لڑکی کا خوف بالکل رفع ہو گیا تھا لیکن اب خوف کی جگہ گہرے قسم کے تحریرے لے لی تھی۔ دستر خوان پر وہی تینوں اکیلے تھے۔ سامنے دو خادم دست بست کھڑے تھے۔ دستر خوان اور خادمون کے درمیان میں بونا مخڑہ اچھل کو درہا تھا۔

”حید بھائی.... ذرا اس چوزے کو دیکھنا۔“ قاسم نے بوئے کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”وسرے ہی لمحے میں ایک بونی کمرے میں داخل ہوئی اور وہ بھی بوئے ہی کی طرح اچھلنے کو دنے لگی۔

”اے...!“ قاسم حیرت سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”بوني بھجي۔“

وہ چند لمحے منہ پھاڑے انہیں دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”اے قربان جاؤں پاک پروردگار تیری قدرت کے۔ بونے کے لئے بوني بھجي پیدا کر دی۔ کیوں حمید بھائی۔ ہی ہی ہی۔“

”اس عمارت کے لوگ بھجي بڑے شاست معلوم ہوتے ہیں۔“ حمید نے لاکی سے کہا۔

”میں تو اب تجھ پاگل ہو جاؤں گا۔ آخری سب کیا ہورہا ہے۔“

”وہم کا کوئی علاج ہی نہیں۔“ قاسم نے کسی فلسفی کی طرح خود اعتمادی کے لمحہ میں کہا۔

”وہم! کیسا وہم۔“ حمید اسے تیر نظر وں سے گھورنے لگا۔

”تھی وہم کہ ہم لوگ دوسرا دنیا میں نہیں ہیں۔“ قاسم نے کہا۔ ”آپ لوگوں کو زندگی مبارک رہے میں تو سو فصدی مرچ کا ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ نے بونے کے لئے بوني پیدا کی ہے تو میرا پچھے نہ کچھ انتظام ضرور کر دیا ہو گا۔“

لاکی نے دوسرا طرف منہ پھر لیا اور حمید قاسم کو کھا جانے والی نظر وں سے گھورنے لگا۔

”کیا میں غلط کہہ رہا ہوں... حمید بھائی۔“

”بکواس بند کرو۔“

”ہائیں... پھر تو ہیں کی۔“ قاسم بگزر کر کھڑا ہو گیا۔ حمید اس کا شانہ تھکنے لگا۔

دو پھر کا کھانا ختم کر جانے کے بعد بھی وہ دین بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر بعد انہیں ایک خادم اپنے ساتھ ایک بڑے کمرے میں لے گیا جہاں بستہ پہلے ہی سے موجود تھے۔ دو دن کی محکم کے بعد انہیں پہلی بار گھری نیند آئی تھی۔ وہ چار بجے تک مردوں کی طرح پڑے رہے پھر ایک بیجان انگیز شور نے حمید کو جگا دیا۔ پہلے تو وہ پچھے نہ سمجھا اسے صرف شور کا احساس ہو رہا تھا۔ پھر بیجے ذہن نیند کے اثرات سے چھکارا پاتا گیا شور کی نوعیت سمجھ میں آتی کی تھی۔

یہ پہ در پے فالروں کی آوازیں تھیں اور ان میں آدمیوں کی چینیں بھی شامل تھیں۔ حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لاکی بھی اٹھ بیٹھی تھی لیکن قاسم اس طرح محل میں بدل رہا تھا جیسے پھردوں کی زیادتی اس کی نیند میں خلل انداز ہو رہی ہو۔

”قاسم...!“ حمید نے اسے جنمبوڑی۔

”اوں ہوں... ڈاپ... ڈاپ... کلباب...!“ وہ منہ چلاتا ہوا دوسرا کروٹ ہو گیا۔

پھر حمید نے اسے اس طرح جنمبوڑا کہ اٹھنا ہی پڑا۔ وہ چند لمحے آنکھیں مل مل کر طرح طرح کے منہ بنا تارہا پھر بھائی لے کر اچاک اچھل پڑا۔ شامک شور کی آوازاب اُس کے ذہن میں صاف ہوئی تھی۔

”ہائیں! حمید بھائی یہ کیا ہورہا ہے۔“ وہ آنکھیں پھاڑ کر آہستہ سے بولا۔

”پتہ نہیں! لیکن یہ نہ سمجھ بیٹھا کہ اب موت نہ آئے گی۔“ حمید نے کہا۔ دوسرا الح اُن کے لئے انہیں تشویش تاک تھا کیونکہ ایک گولی سننا تی ہوئی سیدھی دروازے کے سامنے سے گذری تھی۔ اب شور و غل عمارت کے نچلے حصے میں ہو رہا تھا اور پچھے اس قسم کی دھشت تاک چینیں سنائی دینے لگی تھیں جیسے لوگ گولیاں کھا کھا کر ڈھیر ہو رہے ہوں۔

دفعتاً دو آدمی را نکلیں سیدھی کئے ہوئے کمرے میں گھس آئے۔ دونوں نے بیک وقت تجھ کر کچھ کھا اور را نکلوں کی نالیں اُن کی طرف تاں لیں۔ اُن دونوں کے چجزے بڑے خوف تاک تھے۔ انہوں نے بھیز کی کھال کا لیاں بین رکھا تھا اور اُن کے سروں پر سیاہ ٹوبیاں تھیں جن کے بال اتنے لبے تھے کہ اُن کی آنکھوں تک لٹک آئے تھے۔

”قاسم! ہاتھ اٹھا دو۔“ حمید نے اپنے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

”نہیں اٹھاتا۔“ قاسم نے جنمبوڑا کر کھا دا بھی طرح طرح کی عصیلی شکلیں بنا کر انہیں گھور رہا تھا۔

لڑکی ڈر کر حمید سے لپٹ گئی تھی۔

ان میں سے ایک نے پھر تجھ کر کچھ کھا۔ الفاظ حمید کی سمجھ میں نہیں آئے۔ پھر اُسی وضع قطع کے کئی اور آدمی کمرے میں گھس آئے۔ ان میں سے ایک نے لڑکی کو اپنی طرف سکھیج لیا۔ اس کی چیخ دل ہلا دینے والی تھی۔

”قاسم خدا کے لئے۔“ حمید بڑا بڑا۔ ”کوئی حماقت نہ کرنا۔“

”حمسید بھائی دیکھتے نہیں سا لوں کو۔“

”دیکھ رہا ہوں۔ لیکن ہم نہیں ہیں۔ چپ چاپ دیکھو لیکن غائب نہ ہونا۔ یہ بخوبت نہیں ہیں۔ بھوت را کقل نہیں رکھتے۔“

”اچھا... میں نہیں ڈرؤں گا۔“ قاسم نے سعادت مندانہ انداز میں سر بلایا۔

وہ لوگ انہیں رائقوں کے کندھ سے دھکیلے ہوئے باہر نکال لائے۔

حمدید نے صحن میں اپنے ہم سفروں میں کئی کی لاشیں دیکھیں۔ ان میں کچھ زخمی بھی تھے، جو نیہوشی کی حالت میں بھی کراہ رہے تھے۔ برآمدے میں تخت پر ایک گرانڈیل آدمی کھڑا امرنے والوں کو حقارت آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ یہ شاہزاد و حشیوں کا سردار تھا۔ حمید نے کچھ ہم سفروں کو رسیوں سے جکڑا بھی دیکھا۔ ان میں وہ چاروں بھی تھے جوار و بو لے تھے۔ انہوں نے بڑی ندامت آمیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔

”یہ جانور ہمارے دشمن ہیں۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔

لڑکی کو دیکھ کر وحشیوں کا سردار ہونٹ چائے لگا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا جس کے حوالب میں انہوں نے قبیلہ لگائے اور لاشون کو وونتے ہوئے تخت کے قریب آگئے۔ پھر سردار حمید اور قاسم کو گھورنے لگا۔

ابتنے میں وہ آدمی بونی عورت کو پکڑا لائے۔ اس کا قد تین فٹ سے زیادہ نہ رہا ہوا۔ اس نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر اچھال دیا۔ پھر اسے ہاتھوں پر روک کر اپنے ایک ساتھی کی طرف اچھال دیا۔ اس نے بھی ہاتھوں پر روک کر تیرے کی طرف اچھال دیا۔ بونی کے منہ سے ذری ڈری چینیں نکل رہی تھیں اور وہ لوگ بے تحاش قبیلہ لگا رہے تھے۔

”یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔“ حمید نے ایک ہمراہی سے پوچھا۔

”یہ ہمارے دشمن، یہ ہمیں قیدی بنا کر اپنے علاقے میں لے جائیں گے۔“

”تمہارے اور آدمی کہاں ہیں۔“

”یہاں سے میں میل کے فاصلے پر دوسری چوکی ہے۔“

دفعتاً

حمدید نے لڑکی کی چیخ سنی۔

وحشیوں کا سردار اس کے گال چنگیوں میں دبائے کچھ کہہ کر ہنس رہا تھا۔ بونی بدستور اچھالی جاری تھی اور اس کی چینیں بھی گونج رہی تھیں۔

پھر سردار لڑکی کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے دلچسپ مشغلوں میں شریک ہو گیا۔ اس نے بونی کی ایک ناگ پکڑ لی اور اسے گردش دیئے گا لیکن اب وہ چیخ نہیں رہی تھی۔

چکر دیتے ہوئے اس نے اسے ایک بار چھوڑ دیا اور وہ اس کے ہاتھ سے نکل کر سامنے والی

دیوار سے جا نکل رہی۔

اور پھر وہ منتظر کم از کم حمید سے تونہ دیکھا گیا۔ اس کی کھوپڑی پاش پاش ہو گئی تھی۔

”خدا کی قسم۔“ قاسم رسیوں میں زور کرنے لگا۔ ”میں نہیں دیکھ سکتا۔ اس شیطان کے بچے

کو بھی اسی طرح ماروں گا۔ چاہے میرے پر خپے اڑ جائیں۔“

”قاسم احق نہ ہو۔۔۔ صبر کرو۔“ حمید نے کہا۔

وحشیوں نے اب بونے کی لاش اچھانی شروع کر دی تھی۔ وہ اس مشغلوں میں اس طرح منہک

تھے کہ اپنے قیدیوں کی طرف دیکھنا بھی بھول گئے۔ قاسم رسیوں سے زور آزمائی کر رہا تھا۔ یا کب

رسیاں ٹوٹ گئیں۔ اس نے قریب ہی پڑی ہوئی ایک راٹقل اٹھائی اور اس کی نال پکڑے ہوئے

وحشیوں کے مجھے میں گھس گیا۔ سب سے پہلے اس نے راٹقل کا ایک کندہ ان کے سردار ہی کے

سر پر جھاڑ دیا۔ قاسم کی قوت تو بہر حال اظہر میں الشسس تھی اس پر طرہ یہ کہ وہ غصے میں تھا۔ قبیلہ

یہ ہوا کہ سردار پہلی ہی چوٹ میں ڈھیر ہو گیا۔ قبل اسکے کہ وحشیوں کو کچھ سمجھنے کا موقع ملتا قاسم

نے تین آدمیوں کو گرا دیا۔ اس نے راٹقل کو ڈنٹے کی طرح پکڑ رکھا تھا اور اسے کسی مشاق لڑھ

باڑ کی طرح گروش دے رہا تھا۔ وحشیوں کے سر میں نہ جانے کیا ہائی کہ انہوں نے بھی وہی حرکت

کرنا شروع کر دی اور نہ شاہزاد قاسم کی پیشانی پر پڑی ہوئی ایک ہی گولی اس کا کام تمام کر دیتی۔

وہی حق طھاڑ چھاڑ کر چیخ رہے تھے۔

”لڑکی کیا دیکھ رہی ہو۔“ حمید نے سہی ہوئی آواز میں کہا۔ ”ہمیں کھول دو۔“

لڑکی نے گھبرائی ہوئی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا اور ایک مردے کی کمر سے خبر گھنٹے کر

آن کی رسیاں کاٹنی شروع کر دیں۔ وہی چاروں طرف سے قاسم پر ٹوٹ پڑے تھے اور انہیں کسی

بات کا ہوش نہیں رہ گیا تھا۔ قیدیوں میں آٹھ آدمی تھے اور ان کی راٹقلیں وہیں لان میں پڑی

ہوئی تھیں۔ انہوں نے چھوٹتے ہی اپنے دشمنوں کو نشانہ پر رکھ لیا۔ جب تک وہی سنجھلتے ان کے

چار آدمی کام آپکے تھے۔ انہوں نے دوسری باڑھ ماری تین اور گرے۔ قاسم نے یہ ماجھہ دیکھا تو

دھڑ سے زمین پر گر گیا۔

دونوں طرف سے پھر گولیاں چلے گیں۔ حمید کے ہمراہوں نے ستونوں کی اڑالے لی تھی

اور ان کے دشمن کھلے میں تھے۔ تیسرا باڑھ نے ان کے قدم اکھاڑ دیئے لیکن بھاگ نکلنے کے

سارے راستے خود انہوں نے ہی مسدود کر دیے تھے۔
اب وہ تعداد میں صرف پانچ رہ گئے تھے۔
گولیاں چلتی رہیں ایک اور گرا۔ پھر باقی چار نے بیجاو کی کوئی صورت نہ دیکھ کر اپنی رائٹر
چینک دیں اور زمین پر اونڈھے گر گئے۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ چاروں اسی جگہ بندھے کھڑے تھے۔
قاسِم نے بیجوش سردار کو اٹھا کر تخت پر ڈال دیا اور دونوں ہاتھوں سے رائفل کی نال پکڑ
اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے وہ اس کے اٹھنے کے انتظار میں ہو۔
”یہ کیا کر رہے ہو۔“ حمید نے کہا۔

”ایپی قسم پوری کروں گا۔“ قاسِم ہاتھ پا ہوا بولا۔ ”جیسے ہی اٹھے گا میں ایک ہی ہاتھ میں اس کو
کھوپڑی کے چار ٹکڑے کر دوں گا۔“

”یہ نہ سمجھے تو بہتر ہے۔“ ایک ہمراہی نے کہا۔ ”اے قیدی بلاکر لے چلنا ہی زیادہ بہتر ہو گا۔“
”ہرگز نہیں۔“ قاسِم نے کھا اور جھک کر سردار کے سر سے ٹوپی اٹاری۔
”انہیں سمجھائیے۔“ ہمراہی نے حمید سے کہا۔ ”اے زندہ لے جانا ہمارے لئے زیادہ مفید ہو گا۔“
حمد نے قاسِم کو سمجھانا چاہا لیکن وہ پھیل گیا۔
”سمیا آپ انہیں کسی تدبیر سے باز رکھ سکتی ہیں۔“ ہمراہی نے لاکی سے پوچھا۔

”ہو سکتا ہے۔“ لاکی نے بڑی بے رخی سے کہا۔ ”لیکن اس صورت میں جب ہمیں اس سفر
کا مقصد بتا دیا جائے۔“

”محترمنہ! ہم فی الحال اس سے مغذد ہیں۔“
”تب ادھر بھی مجبوری ہی ہے۔“ لاکی نے کہا۔

”ہرگز نہ مناولوں گا۔“ قاسِم غصیلی آواز میں بولا۔ ”مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔ غضب خدا کا
ان درندوں نے اسی نیھی سی جان کو تماشا بنا کر مارڈا۔“ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔۔۔ میں اس کے
سر کا گوداناک کے راستے بھاؤں گا۔“

قاسِم نے اب اس کے ہوش میں آئے کا انتظار کرنا مناسب نہ سمجھ کر ایک کنڈہ اس کے سر
پر جھاڑ دیا اور وہ ایک ذرع کے ہوئے مرغ کی طرح تڑپے لگا۔ پھر اٹھ کر بھاگا لیکن اس کی آنکھیں

بندھیں قاسِم نے پھر ایک ہاتھ مار دیا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی لاش کو پیچانا بھی ناممکنات میں سے ہو گیا۔ نہ ناک کا پتہ تھا اور نہ
دہانے کا صرف اس کے دہانے کے بڑے بڑے دانت باہر نکلے ہوئے تھے۔

اس کے چاروں ساتھی اس طرح کاپ رہے تھے جیسے انہیں سردی لگ کر بخار آگیا ہو۔
لوکی نے پناپچہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا تھا۔

”قاسِم تم نے بہت بُرا کیا۔“ حمید نے کہا۔

”چلو چلو! نہیں تو بھی ایک ہاتھ جھاڑ دوں گا پر اٹھا ہو کر رہ جاؤ گے۔“ قاسِم بولا۔

اُس پر بچ چخ خون سوار ہو گیا تھا۔ اُس نے ہمراہیوں سے پوچھا۔ ”اُن چاروں کے لئے کیا کہتے
ہو۔ جلدی کرو۔ بھوک کے مارے میرا دم نکلا جائی ہے۔“

”جناب والا۔“ ایک نے کہا۔ ”ہم یہی درخواست کریں گے کہ انہیں قیدی بنا کر لے جلیا جائے۔“

”تم لوگ واقعی بڑے بے حیا معلوم ہوتے ہو۔“ قاسِم یا یوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔

”آپ بہت تھک گئے ہیں.... اب تھوڑا آرام کر لیجئے۔“

”آرام کر لوں.... اور کھانا.... الٰۃ قسم پیارے دم نکلا جائی ہے۔“

”آپ چلے تو اپنے کمرے میں۔“ ہمراہی نے گڑگا کر کہا۔ ”کھانا بھی آجائے گا۔“

پھر حمید اُسے کسی نہ کسی طرح بہلا پھسلا کر کمرے کی طرف لے گیا۔

قاسِم بڑی دیر میں ٹھنڈا ہوا۔

”اب کیا خیال ہے تمہارا۔“ حمید نے پوچھا۔ ”مر گئے ہو یا زندہ ہو۔“

”یہ سب سالے بھی چار سو بیس معلوم ہوتے ہیں۔“ قاسِم نے کہا۔ ”آج رات کو انہیں
بھی ٹھنڈا کرو اور نکل چلو۔“

”کہاں نکل چلیں.... کہاں.... بھکتے پھریں گے۔“ حمید بولا۔ ”مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے
جیسے یہ ہماری زندگی کا آخری سفر ہے۔“

”تو کیا ہم واقعی مر جائیں گے۔“ قاسِم نے غناک لمحہ میں پوچھا۔

”وکھو! کیا ہوتا ہے۔ ویسے اب کچھ گڑ بڑھ کر بنا۔ چپ چاپ دیکھتے جاؤ۔“

قاسِم اس انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا جیسے حمید کی بات اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔

مل گئے

فریدی کے ہمراہ بڑی تیزی سے راستہ طے کر رہے تھے۔ شاند انہیں اپنی حکمن کا بھی متوجہ ہو گیا۔

”آخر آپ لوگ اتنے خوفزدہ کیوں ہیں۔“ فریدی نے ان میں سے اس آدمی سے پوچھا جس اردو بول اور سمجھ لیتا تھا۔

”ہمارے دشمن ہماری گھات میں ہیں۔“

فریدی نے اب اسٹرپچر پر لدے رہنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ سمجھ دیر قبل دیکھی ہوئی لاشیں اب بھی اس کے ذمہ میں پکڑ لگائی تھیں۔ ہمراہ یہوں سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ وہ خطرے میں ہیں۔ ”بلیک گذھ میں آپ لوگوں کا کہاں قیام تھا۔“ فریدی نے ہمراہی سے پوچھا۔

”پورے بلیک گذھ میں۔“ ہمراہی نے مسکرا کر کہا لیکن اس کی مسکراہٹ میں زندگی نہیں تھی۔ چاروں طرف ہری بھری پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ یہ حصہ بلیک گذھ سے کم بلند ہے ورنہ یہاں اس موسم میں بزری کا نام بھی نہ ہونا چاہئے تھا۔ سردی ضرور تھی لیکن اتنی زیادہ نہیں جتنی بلیک گذھ میں ہوتی تھی۔

دن ڈھلتے ڈھلتے وہ لوگ منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ یہ ایک گاؤں تھا اور یہاں ایک بڑی سی پھر کی عمارت تھی جس کے سامنے مسلح آدمیوں کا ایک دستہ پڑھ دے رہا تھا۔

فریدی کے ہمسروں میں سے ایک نے اپنی جیب سے پلے رنگ کی ایک جھنڈی نکالی اور اسے اپنی رانفل کی نال پر لگا کر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا مسلح محافظ دستے کے قریب پہنچ گیا۔ پھر فرزانہ کا اسٹرپچر بڑے ادب و احترام کے ساتھ عمارت کے اندر پہنچا دیا گیا۔ فریدی کے ساتھ بھی کوئی بد نسلوں کا نہ کی گئی۔ انہیں ایک کر کرے میں پہنچایا گیا۔

فرزانہ کے لئے یہ لمحہ حیرتوں کا لمحہ تھا۔ فریدی البتہ بہت پر سکون تھا کر کرے میں قاسم اور حمید ایک لڑکی کے ساتھ موجود تھے۔ قاسم سورہا تھا حمید اور وہ لڑکی بیدار تھی۔ ”مارنے آپ....!“ حمید فرزانہ کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

”آپ یہاں۔“ فرزانہ تقریباً تیج پڑی۔

پھر حمید نے فریدی کی طرف دیکھا اور اتنے آجھیوں میں سے سمجھ کر پھر فرزانہ کی طرف احسان نہیں تھا۔

”آپ یہاں کیسے پہنچیں۔“

”گردش تقدیر۔“ فرزانہ نے فریدی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”تیزی ہی طرح آپ بھی ایسی ہیں۔“

”اوہ....!“ حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔ دفتار قاسم نے سوتے سوتے چینماری اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

وہ اپنی سرخ سرخ آنکھیں پھاڑنے بڑا رہا تھا۔ ”وہ بھاگا... سر کچل دو... بوتا... بوتا... بونی... اور بچاؤ... گردن نکل گئی... ہاتھ نکل گئے... سر کچل دو۔“

حمدید اس پرٹوٹ پر اور بڑی جدوجہد کے بعد اسے دوبارہ لٹانے میں کامیاب ہو سکا۔ ”انہیں کیا ہوا۔“ فرزانہ نے پوچھا۔

”براتیز بخار ہو گیا ہے۔ کسی کو پہچانتا نہیں۔“ حمید بولا۔ ”کیا ان لوگوں میں کوئی واکٹر نہیں ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جی نہیں... لیکن وہ لوگ اسے کوئی دوادے رہے ہیں۔“

”مسموم انجرات دماغ کی طرف مائل پر رواز ہیں۔“ فرزانہ نے تشویشاً لجھ میں کہا۔ ”بلکہ معدے میں دماغ کی طرف ان کا انتقال زمانی و مکانی ہو رہا ہے۔“ حمید جل بکر بولا اور فریدی اپنی بھی کسی طرح شروع کر۔

فرزانہ اس طرف مذکور ہوئی۔ ”یہ دونوں حضرات ہمارے ساتھ کے ہیں۔“

”بڑی خوشی ہوئی لیکن....“ فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا کیونکہ ہمراہیوں میں سے ایک آدمی کر کرے میں داغ ہو رہا تھا۔

”آپ لوگوں کا کھانا بھی سینیں بھیج دیا جائے یا الگ کھائیں گے۔“ اسکے پوچھا۔ ”کھانا...!“ قاسم نفرہ مار کر کھڑا ہو گیا۔ ”کہاں نہے کھانا۔“

حمدید وغیرہ بھوپنچھرہ گئے۔ کیونکہ وہ تو یہی جانتے تھے کہ قاسم نیبوش پڑا ہے۔

”کہاں ہے کھانا۔“ اُس نے ڈپٹ کر پوچھا۔ پھر اُس نے دروازے کی طرف بھاگنا چاہا۔ اسکی کمر سے لپٹ گیا۔ لیکن وہ بھلا حمید کے بس کا تھا۔ کھانے کے متعلق پوچھنے والا بھی بونکلا گیا تھا۔

”آپ ہٹ جائیے۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔ اُس نے قاسم کے دنوں ہاتھ پکڑنے قاسم حلچ پھاز کر جیخ رہا تھا۔ لیکن پھر وہ اپنی جگہ جبکش نہ کر سکا۔ حمید پھر سے اُس اجنبی کو دیکھ رہا تھا۔

”آئیے۔“ فریدی نے حمید کو اشارہ کیا۔

آن دنوں نے اُسے پھر پلٹ پر ڈال دیا۔

”ارے غصب خدا کا... یہ کیا شرم ہے۔ بھوکوں مار ڈالا۔“ قاسم چینخارا ہے۔

”ارے قاسم صاحب۔“ فرزانہ بولی۔ ”آپ کے لئے مقاطعہ جو کیسی ہی مناسب ہے۔“

”ارے... ہائیں۔“ قاسم آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھنے لگا۔ پھر دنوں ہاتھوں سے آنکھیں مل کر دوبارہ اُس بے چہرے پر نظریں جدایں۔

”حمدی بھائی۔“ وہ آہستہ سے بولا۔ ”میں کہاں ہوں۔“

”وہیں جہاں پہلے تھے۔“

”لیکن آپ۔“ وہ فرزانہ کی طرف دیکھا رہا گیا۔

”آپ بھی آپنی ہیں۔“

وہاں انہیں قیام کئے ہوئے تین دن گزر چکے تھے اور ان تین دنوں میں قاسم نے حمید کا ناظراً بند کر دیا تھا اور اب اسی مسئلے پر حمید قاسم کو بور کر رہا تھا۔

”میرا خیال ہے کہ شکاری نے فرزانہ سے عشق شروع کر دیا ہے۔“ حمید بڑی سمجھی گی سے بولا۔

”اگر ایسا ہے تو میں شکاری کو زندہ نہیں چھوڑوں گا، جو فرزانہ کے ساتھ آیا ہے۔“ قاسم پر جوش لجھ میں بولا۔

”سنو قاسم! وہ شکاری تم سے زیادہ طاقتور معلوم ہوتا ہے۔“

”مجھ سے زیادہ... ہونہہ... ابھی میں اس کی گردان توڑ سکتا ہوں۔“ قاسم نے اپنی دنوں میں یاں بھیج لیں۔

”اوہ... تو کیا آپ مجھ سے زیادہ طاقت ور ہیں۔“ دروازے کے قریب سے آواز الٰہ

جید اور قاسم دونوں پلٹ پڑے۔ شکاری دروازے میں کھڑا تھا۔

”درے! ہی ہی۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔“ قاسم ہنسنے لگا۔

اور یہ حقیقت تھی کہ قاسم اُس دن والے واقعے کے بعد سے مار پیٹ کے موقع سے کھرانے لگا تھا۔ اس نے وحشیوں کے سردار کو بڑی بیجے دردی سے مار ڈالا تھا۔ لیکن وہ رات کو سوتے پیچنے لگا۔ بھی نیند ہی میں اٹھ کر بھاگتا اور اس طرح گر پڑتا جیسے اس نے وحشیوں کے سردار کو دیکھا ہو۔

”آپ کچھ خیال نہ بھجنے گا۔“ حمید نے فریدی سے کہا۔ ”یہ بڑے پرمذاق آدمی ہیں۔“

”اوہ... کوئی بات نہیں۔ میں جانتا ہوں۔“ فریدی نے کہا اور پھر اُس نے گفتگو کا رخ بدل دیا۔ وہ بڑی ذیر تک اس عجیب و غریب سفر کے متعلق باشیں کرتے رہے۔

”میرا خیال ہے کہ ہم لوگ پاگلوں کے ہتھ پڑھ گے ہیں۔“

”کیوں؟“ فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

”اس طرح تند دے لائے تھے اور اب اتنے اخلاق سے پیش آ رہے ہیں کہ ہر وقت کی خدمت کا رہا رہا پاس موجود ہے ہیں۔ جیسے ہم کسی ریاست کے شاہی مہمان ہوں۔ آخر اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔“

”میں دیکھنے جائیے۔“ فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

”اتھے میں وہ دنوں ہمسفر بھی وہاں آگئے۔“

”اب تو بتا دیجئے۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔

”اوہ! اتنی جلدی کیا ہے۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔ ”خوب گھومنے پہرے یہ تھکن اتاریے۔ ایسی عظیم الشان جگہ آپ کو دئے زمین پر نہ لے گی۔“

”کیا ہم بغیر پابندی کے باہر نکل سکتے ہیں؟“ فریدی نے پوچھا۔

”کیوں نہیں! بڑی خوشی سے۔ یہاں ہرگلی کوچے میں آپ کا شاندار استقبال ہو گا۔ یہ لیجھ۔“

اس نے جیب سے چاندی کے تین بیج نکالے، جو عقاب کی شکل کے تھے اور ان پر کسی نامعلوم زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

”یہ بیج آپ کو کہیں بھیکنے نہ دیں گے۔ آپ جب بھی محسوس کریں کہ آپ راستہ بھول

ہے ہیں تو کسی کو بھی بیچ دکھادیجئے گا۔ وہ آپ کو یہیں پہنچا دے گا۔
” یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔“ قاسم تقدیر لگا کر بولا۔ ”لیکن وہ مغلزی مغلزی عورتیں کہاں پہنچا دیں۔“
”ایک دو نہیں! درجنوں حاضر کردی جائیں گی۔“

” درجنوں! ہاہا۔“ قاسم نے پھر تقدیر لگای۔ ”یعنی بہت سی... یعنی عورتیں... جو مجھے خوف نہ کھائیں گی... ہاہا۔“

”بھی ہاں... وہ آپ سے محبت کریں گی۔“

”محبت... ہی ہی۔“ قاسم دانتوں میں انگلی دبا کر شرم گیا۔

”حمد کا دل چاہ رہا تھا کہ جوتا لے کر پل پڑے۔“

”وہ لڑکی کہاں ہے، جو میرے ساتھ آئی تھی؟“ فریدی نے دریافت کیا۔

”وہ بھی آرام سے ہیں۔“

”میں اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔“ فریدی بولا۔

”دیکھا جید بھائی... میں نہ کہتا تھا۔“ قاسم نے غصیل آواز میں کہا۔

”بہت بہتر جاتا۔“ سفر فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”وہ یہیں پہنچا دی جائے گی۔“

”آدمی کو آتا ہوا دیکھ کر یہاں بیک چونک پڑا اور وہ جان بو جھ کر اُس آدمی سے ٹکرا گیا۔“

”لاتا ہوں۔“

”وہ چلا گیا۔ اور قاسم فریدی سے الجھ پڑا۔“

”تم کون ہو۔ اسے اپنے ساتھ رکھنے والے۔“

”آپ بعض اوقات بہت زیادہ بد تیز ہو جاتے ہیں۔“ فریدی بگڑ کر بولا۔

”ویکھو میاں شکاری میں! میں گردن توڑ دیا کرتا ہوں۔“ قاسم غرا کر بولا۔

”قاسم کیا بک رہے ہو؟“ حید بوكھا کر بولا۔

”چپ رہو حمید بھائی۔ میرا غصہ بڑا خراب ہے۔“

”یہیں اپنا غصہ اور زیادہ خراب کرنے دیجئے آپ خواہ خواہ دخل دے رہے ہیں۔“ فریدی

”مکرا کر بولا۔“

”ہائیں....!“ قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ”تم مجھ سے لڑو گے مجھ سے۔“ قاسم کے پہ

کارگنگ یک بیک اتر گیا اور وہ آہستہ سے پھر کر کی پرڈ ہیز ہو کر فریدی کو گھورنے لگا۔

”اُبھی بیچ ہو بچے۔“ فریدی مسکرا یا۔ قاسم کچھ کہنے جا رہا تھا کہ بیچ سے حمید نے اس کی بات کاٹ دی۔

”مجھے اس حق کی زیادتیوں پر نہ امت ہے۔“

”کوئی بات نہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”بے وقوف آدمی معلوم ہوتا ہے۔“

”کیا کہا؟“ قاسم پھر غریبا۔ لیکن حمید نے اس کا شانہ تھک کر اُسے خاموش کر دیا۔

فریدی کو اس بات کی خوشی تھی کہ حمید اسے اتنے قریب سے دیکھنے پر بھی نہ پہچان سکا اور یہ

بہر حال اس کے میک اپ کی خوبی تھی اور اس کا یہ مطلب تھا کہ وہ اب آنکھوں کی بیادوں بھی

تبديل کرنے پر قادر ہو گیا تھا۔

فریدی جب باہر جانے کے لئے تیار ہونے لگا تو حمید اور قاسم بھی اس کا ساتھ دینے پر مصر

ہو گئے لیکن فریدی نے ان لوگوں کو سمجھا بھاکر روک دیا۔

فریدی تھوڑی دیر تک پہاڑیوں کے پریچ راستوں پر ادھر ادھر بے مقصد گھومتا رہا اس کے

بعد وہ وہاں سے نکل کر آبادی کی طرف چل پڑا۔ کچھ دور چلے کے بعد فریدی اپنے سامنے ایک

آدمی کو آتا ہوا دیکھ کر یہاں بیک چونک پڑا اور وہ جان بو جھ کر اُس آدمی سے ٹکرا گیا۔

”تم کیسا آدمی ہے۔ دیکھ کر نہیں چلتا۔“ وہ ناخوشگوار لہجہ میں بولا۔

”جب تم اچھی طرح اور دلوں سکتے ہو تو کیوں اپنی زبان خراب کر رہے ہو؟“ فریدی نے

مکرا کر کہا۔

”اُسی... کیا مطلب۔“ وہ آدمی فریدی کو گھوڑے لگا۔

”مطلب وطلب کچھ نہیں جانتا۔ یہ بتاؤ کہ تم فزارو ہو ٹھل سے کب یہاں آئے۔“

”کیا...؟“ وہ آدمی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو دیکھنے لگا۔

”آپ مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہیں؟“ فریدی مسکرا یا۔

”میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“

”اس کی کوشش نہ کرو۔ یہ بتاؤ تم رہتے کہاں ہو۔“

”بھی... بھی میں...!“

”گھبراو نہیں میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔“

”تم جھوٹ بولتے ہو۔“ غوث پھر چلایا۔
 ”بھئی دیکھو اب مذاق نہ کرو کیا تم دوسال تک جھریاں جیل میں میرے ساتھ نہیں رہے کیا
 اس سے قبل تین بار جیل نہیں جا چکے ہو کیا تمہارا نام غوث نہیں ہے۔“
 ”اچھا میں کرو میرے بھائی اب یہ بتا دو کہ تم کون ہو؟“ غوث گزگرا کر بولا۔
 ”میں تمہارا ساتھی قامت خال ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔
 ”غلط میر اکوئی ساتھی اس نام کا نہیں ہے۔“ غوث کے لبھ میں پھر جھلاہٹ تھی۔
 ”تو پھر نہ ہو گا۔“ فریدی بڑی سادگی سے بولا اور پھر جانے کے لئے مڑ گیا۔
 ”ارے بھائی۔“ غوث بڑے خوشابدانہ لبھ میں بولا۔ ”میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں
 مجھے صرف یہ بتا دو کہ تم کون ہو اور یہاں کس طرح سے آئے۔“
 ”جس طرح سے تم لائے گئے ہو۔“
 ”لیکن تم مجھے کیسے جانتے ہو؟“

”میں پاگل ہو جاؤں گا۔“ غوث نے اپنے بال کھینچ لئے۔
 ”اس کی ضرورت نہیں۔“ فریدی مسکرایا۔ ”میں تمہیں صرف اس شرط پر سب کچھ بتا سکتا
 ہوں کہ تم مجھ سے دوستی کرلو۔“
 ”منظور.....!“ غوث نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔
 ”اچھا ب میرے ساتھ آؤ۔“ فریدی غوث کو لئے ہوئے پہاڑی کے ایک غیر آباد حصہ کی
 طرف چلا گیا۔

کافی دیر بعد جب فریدی وہاں سے لوٹا تو وہ بالکل تمباخا اور اس کی سانس بُری طرح پھول
 ہی تھی۔ وہ جلدی جلدی قدم بڑھاتا ہوا اپنی قیام گاہ کی طرف جا رہا تھا۔
 اس طرح سے فریدی کئی آدمیوں سے ملا یکن اس کی خبر حیث وغیرہ کو نہیں ہوئی۔ وہ روزانہ
 شام کو گھونسے کے بہانے نکل جاتا اور کئی گھنٹے کے بعد واپس لوٹا اور پھر ایک دن فریدی اچانک
 غائب ہو گیا۔

”میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں۔“ اس آدمی کے لبھ میں گھبراہٹ تھی۔

”یہاں سے واپس جانا چاہتے ہو؟“ فریدی نے سوال کیا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

”سب کچھ ہو سکتا ہے کل مجھ سے یہیں پر ملتا۔“

فریدی یہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا اور وہ آدمی اپنی جگہ پر کھڑا اسے دیکھا رہا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد فریدی کو پھر ایک جانی پیچائی صورت نظر پڑی۔ وہ غوث تھا مشہور
 کوئین فروش اور کئی دفعہ کا سزا یافتہ۔ وہ ایک قبائلی کے ساتھ بڑے رازدارانہ طریقے سے گھنٹا
 کر رہا تھا۔ فریدی اسے دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ ”یہ غوث بھی یہاں آگیا۔“ وہ اپنے دل میں بڑی الارادہ
 ایک چھوٹے سے نیلے کے پیچھے چھپ کر اس کی گفتگو نہیں لگا۔

جب وہ اپنی بات ختم کر کے جانے کے لئے مڑے اور غوث تمہارہ گیا۔ فریدی نے پیچے
 سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

”کون؟“ غوث یک دم اچھل پڑا۔

”آپ کا پرانا دوست....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”میں آپ کو نہیں جانتا۔“ غوث اپنا چلا ہونٹ سکوڑ کر بڑی بے اختیاری سے بولا۔

”ٹھیک ہے۔ کوئین کی زیادتی دماغ پر زیادہ اثر کرتی ہے۔ خاص کر اس وقت جب وہ جرم
 کرنے کے لئے اپنے کوبالکل آزاد پاتا ہے۔“

”آخر تم کون ہو اور اس بکواس سے تمہارا کیا مطلب ہے۔“ غوث کے لبھ میں استقباب تھا۔

”ہاں اب تم مجھے کیوں پہچانے لگے۔ یاد کوئین کی آمدی میں اب میں تم سے حصہ نہ مانوں!
 اٹیناں رکھو۔“

”تم پاگل ہو۔“ غوث گزگیا۔

”دیکھو بڑا وجہ غصہ دکھانے سے کوئی فائدہ نہیں یہ تباہ کہ کیسی کٹ رہی ہے۔ جگہ تم اپنے

بہت اچھی تجویز کی ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”مگر تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔“

”اس لئے کہ تم میرتے پرانے ساتھی ہو۔“

فریدی کی واپسی

چہ دن بعد ایک شام کو جب فریدی واپس آیا تو اُس کے چہرے پر بڑی تازگی نظر آ رہی تھی۔ کی طرف چل آئی ہے۔ اُسی کے ذریعے ان لوگوں نے کافی فائدہ اٹھایا ہے۔ اور وہ برف کے بھی حمید صاحب۔ ”اُس نے نہس کر کہا۔“ ”واقعی یہ جگہ عجوبہ روزگار ہے۔“

”یوں کیا دیکھا آپ نے اور آپ تھے کہاں؟“

”یوں ہی ذرا شکار۔ ہاں میرے مشاہدات تو سننے۔“ فریدی نے بات کاشتے ہوئے کہا۔ ”یہاں کے باشدے حد درج کاہل ہیں۔ اُن کی کاہلی کا یہ عالم ہے کہ ہر کام کا اختصار دریافت کر کے اُس پر عمل کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ تفريحات بھی اس سے نہیں بچتیں۔“

”وہ کس طرح۔“

”مثال کے طور پر انہوں نے شکار کی جگہ نیلگن ٹکوڈی ہے۔“ فریدی نہس کر بولا۔ ”میر پر تیھی ہوئی کمھیوں کو ایرگن سے شکار کرتے ہیں۔“

”خید نہس پڑا۔ فرزانہ بھی ہنسنے لگی۔ البتہ قاسم منہ پھلانے رہا۔“

”یہاں کے باشدے ایک دوسرے کو دیکھ کر اس طرح بسوارتے ہیں جیسے روپڑیں گے۔ یہ اُن کا سلام ہے۔ سڑکوں پر چلنے والے چار چھ قدم چلتے ہیں اور پھر رک کر سوچنے لگتے ہیں۔ عورتیں آپس میں گفتگو کرتی ہیں تو ایسا جان پڑتا ہے جیسے بین کر رہی ہوں۔ ہر شخص بیزار بیزار سا نظر آتا ہے۔ ہر عورت اپنے ساتھ ایک بکار کھتی ہے اور کبھی کبھی یہ بکرے مردوں سے لا پڑتے ہیں۔ تدرست تین بکار کھتے والی عورت کو خطاب ملتا ہے اور حمید صاحب ہم لوگ قربانی کے بکرے ہیں۔“

”اور اس کا مقصد....!“ حمید نے پوچھا۔

”مقصد بے حد خطرناک ہے۔“ میں نے ساری معلومات فراہم کر لی ہیں۔ ساری دنیا کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نیکم گذھ کے آگے بخرا اور غیر آباد علاقے ہیں۔ لیکن یہ غلط ہے۔ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ کسی نے کبھی اس طرف آنے کی زحمت ہی نہیں گوا رکی۔ یہاں تک کہ شاید ادھر سے ہوائی جہاز بھی نہیں گزرتے۔ بات دراصل یہ ہے کہ نیکم گذھ کا اتری پہاڑی سلسلہ

ہاں عبور ہے اور ہماری طرف کے لوگ اُن پہاڑی گپھاؤں کو نہیں دیکھ سکتے، جو شاید اشوك کے زمانے کی ہیں۔ پہاڑوں کے اندرہی اندر ایک میل بھی سرگ ہے، جو ان گپھاؤں سے مغرب بھوٹ.... وہ شاید اسی سال کی ایجاد ہیں۔“

”برف کے بھوٹ....!“ قاسم اچھل پڑا۔

”جید بڑی تکھی نظروں سے فریدی کو گھور رہا تھا۔“
”اور آپ جانتے ہیں کہ میں سر جنٹ حمید ہوں ڈبوٹ نہیں ہوں۔“
”جی میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ فریدی سپٹا گیا۔

”مطلب؟“ حمید جھلا کر بولا۔ ”آخر اس میں کون سی مصلحت تھی۔“

”ہاں حمید بھائی.... ذرا بڑھ کے زندہ نہ جانے پائے۔“ قاسم کھڑا ہو گیا۔

”بیٹھو....!“ حمید اُس کو گھور کر بولا۔ پھر فریدی سے کہنے لگا۔ ”آپ شکل تبدیل کر سکتے ہیں لیکن آپ اس وقت کم از کم حمید کی نظروں سے نہیں چھپ سکتے۔ جب آپ اپنا کار نامہ بیان کر رہے ہوں۔ سچھے جتاب! آواز بدل دینے سے گفتگو کا مخصوص انداز نہیں بدلا کرتا۔“

”قاسم اور فرزانہ حیرت سے حمید کی طرف تکنے لگے۔“

”فریدی صاحب سے ملنے۔“ حمید نے فرزانہ سے کہا۔

”کیا....؟“ فرزانہ چینی۔

”ہائی....!“ قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”مجوہہ! فرق عادات۔“ فرزانہ سینے پر ہاتھ رکھ کے اور آنکھیں پھاڑے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”اٹھائے عالم میں فریدی صاحب جیسے عجوبہ کی مثال ملی دشوار ہے.... بول الجب.... بول الجب۔“

فریدی ہنسنے لگا۔

”آخر یہ لوگ ہمیں کیوں پکڑ لائے۔“

”میں نے کہا تاکہ ہم قربانی کے بکرے ہیں۔ بہر حال کل صبح تک کچھ نہ پکھ ہو کر رہے گا۔ میں نے سوچا تھا کہ آخر تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گا لیکن....“ فریدی سوچنے لگا۔

”اچھا ٹھہر... میں تمہیں تھوڑی دیر بعد بتاؤں گا۔“ فریدی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

موت کے ہر کارے

رات تاریک تھی۔

فریدی پھر میں کے ناموار راستوں سے گذرتا ہوا ایک شگی عمارت کے قریب پہنچ گیا۔

اُس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ ایک بھی انک ساتھا حول پر طاری تھا۔ اُس نے اپنا طرف دیکھا۔ ششی کی کھڑکیاں بند تھیں۔ لیکن ان پر روشنی کی چھوٹ پڑی تھی۔ اس دوران ملائے میں ایک ایسی عمارت کا وجود فریدی کے لئے تجھ بخیز تھا۔ اچاک اسے ہلکی ہلکی سکیں کی آواز سنائی دی اور پھر ایک عجیب قسم کی زہری بندی پھیل گئی۔

فریدی نے ناک پر رومال رکھ لیا۔ کسی نے اپر کی کھڑکی کھول دی اور گہرے رنگ کا زدھوں پھیلے لگا۔ فریدی اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ کھڑکی سے کوئی شخص جھاک رہا تھا۔ وہ جب تک کھڑا رہا فریدی نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کی۔ مگر جب دوبارہ اُس کا کھڑکی بند کر دی تب وہ آہستہ آہستہ دیوار کی طرف بڑھا۔ پھر کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو کٹا بیانی گئی اس پر انی عمارت کی دیواروں پر جام جا شگاف پڑ گئے تھے اور پھر وہ کی نوکیں باہر نکل آئیں۔ صرف انہیں کے سہارے فریدی اور تک پیچ سکتا تھا۔ صدر دروازے کی طرف سے ہر اتنا سخت تھا کہ اوہ سے جانے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

فریدی نے اپنے پنج گڑا دیئے اور پھر وہ کے سہارے اور چڑھنے لگا۔ سکیوں کی آواز ایسا زدیک آتی جادی تھیں اور ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی تکلیف کی شدت سے کراہ رہا ہو۔

فریدی کھڑکی کے زدیک پیچ گیا تھا۔ اچک کروہ کرنے کے بغل والی کھلی چھٹ پر آ جائیں کھڑکی پھر کھلی۔

”کون ہے؟“ ایک بھاری بھر کم آواز فضا کے ساتھ کو چرتی ہوئی گئی۔

کھڑکی کھول کر اپنا آدھا آدھا ہڑا بہر نکالے ایک آدمی چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

فریدی دیوار سے اس طرح چپک گیا کہ اس پر نگاہ نہ پڑ سکے اور تھوڑی دیر بعد جب کھڑکی پر ہو گئی تو وہ پھر چھٹ سے کروں کی طرف بڑھا۔

چھت کی طرف ایک محراب تھی اور اندر کئی کمرے تھے۔ رہداری سے گذرتے ہوئے فریدی اس کمرے کے سامنے رک گیا جہاں سے روشنی نکل رہی تھی۔

دووازہ اندر سے بھرا ہوا تھا۔ فریدی نے ہلکے سے دھکایا اور اندر داخل ہو گیا۔

ایک بڑا سعی کرہ تھا جسے لیبارٹری کی شکل دی گئی تھی۔ فاسفورس کی تیز بو سے کمرہ بسا ہوا تھا۔ قمی آرام کر سی پر ایک آدمی پڑا ہوا تھا۔ اُس کی آنکھیں سکھی تھیں اور وہ ایک بُکھر چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔

فریدی کے اندر داخل ہونے پر بھی اُس کے اندر کوئی حرکت نہ ہوئی۔ اُسی طرح اس کی آنکھیں چھت کی طرف پیچ گئی رہی۔

فریدی نے اس کے قریب پہنچ کر ہاتھوں کو جھوڑا۔

”یہ کیا کرتے ہو... ارے...“ پیچھے سے ایک آواز سنائی دی۔

فریدی نے گھوم کر دیکھا۔

”اوہ.... تم ہو۔“ آنے والے نے کہا۔ ”کیسے آئے۔“

فریدی کے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ پھیل گئی جیسے وہ بہت ڈر گیا ہو۔ آدمی اُسے اب تک گھور رہا تھا۔

”لیا یہ مر گیا۔“ فریدی کے منہ سے لکلا۔

”ہاں... مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟“

”اس لئے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میرا بھی حشر ایسا ہی نہ ہو۔“

اس نے بڑے زور کا قہقہہ لگایا۔

”بیٹھ جاؤ...!“ اُس نے فریدی سے کہا۔

فریدی بیٹھ گیا۔

”وراصل میں تمہاری جرأت اور بہادری سے بہت خوش ہوں۔ ورنہ حشر تو تمہارا بھی جیں ہو۔“

”ہو۔“ اب دیکھو... تم اوہ سے دیوار کے سہارے چڑھ کر آئے... پھر چھٹ پر کھڑے رہے۔ تم کچھ رہے تھے کہ تمہیں کوئی نہیں دیکھ رہا ہے مگر بات اسکی نہیں تھی اور اگر میں چاہتا تو

تمہیں اُسی وقت ختم کر دیتا مگر اس کی کوئی ضرورت نہیں محسوس کی گئی۔“

”آخر اس طرح لوگوں کے لائے جانے کا مقصد کیا ہے؟ ہم اپنی جانا چاہئے ہیں۔“
”میا تمہیں کوئی تکلیف ہے۔“ اُس آدمی کے لمحے میں زری آگئی۔

”نہیں تکلیف تو کوئی ایسی خاص نہیں.... لیکن....!“

”تم شاکد بھنوں رہے ہو کہ یہاں سے جانے کے بعد تمہارا پھانسی پاجانا یقینی ہے۔“
”گذھ میں فرارو میں ٹھہرے تھے؟“
”ہاں....!“

”تم نے فرارو کے نیجہ کو اپنی نایگن سے دھکایا۔ جانتے ہو اس سے قتل عمد کا جرم منتا ہے۔“
”ہاں....!“

”پھر.... تم پر مقدمہ ملے گا اور تمہیں پھانسی ہو جائے گی۔“
”ہوں....!“ فریدی نے کہا۔
”کچھ پڑھ لکھے ہو۔“
”ہاں....!“

”کیا ہاں، ہوں کئے جا رہے ہو۔ کیا اسی لئے میرے پاس آئے تھے۔“
”ڈاکٹر سڈلر....!“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ اس کی آنکھیں چکنے لگیں۔ ان میں ایک بھیک سرنخی جملک اٹھی۔ ”یہ آدمی کون تھا۔“

ڈاکٹر ایک لمحے کے لئے بھوپنچارہ گیا۔ وہ فریدی کو بڑی حیرت سے دیکھنے لگا۔
”تم.... تم کون ہو.... یہ نام تمہیں کس نے بتایا۔“

فریدی بے اختیار ہنسنے لگا۔ وہ اٹھ کر میز کے قریب آگیا۔

”تم ابھی تو مجھے بچوں کی طرح پڑھا رہے تھے اور اب یہاںک صرف اپنا نام سن کر گھبرا گئے۔“
”کون ہو تم؟“ ڈاکٹر سڈلر گر جا۔ وہ فریدی کی طرف چھپتا۔

”اوہ! ڈاکٹر اذر اصبر سے کام لو۔ تمہیں کم از کم آج کی رات خون سے پرہیز کرنا ہے۔ خدا کی یو تمہارے تجربے اور سالہا سال کی محنت کو غارت کر دے گی۔“
ڈاکٹر سڈلر اسکی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”تم جانتے ہو! تم یہاں سے ٹھیک نہیں جا سکتے۔“ ڈاکٹر نے پہ سکون لمحے میں کہا۔

”اب اگر بتا رہے ہو تو یہ میری معلومات میں ایک اضافہ ہو گا۔“
ڈاکٹر سڈلر بے بی کے عالم میں کھڑا تھا۔ فریدی کے ہاتھ میں نہ تو پتوں تھا اور نہ رائفل۔

مگر پھر بھی وہ اتنا مطمئن تھا جیسے ڈاکٹر بالکل بے بی ہو۔

باہر شور و غل کی آواز آرہی تھی۔ ڈاکٹر یہ کچھ چونکا۔

”پیارے! اس طرح نہ گھبراؤ... باہر کوئی بھوت نہیں ہے۔“ فریدی کے لمحے میں طنز جھک رہا تھا۔ ”میرے کچھ ساتھی ہیں۔ انہیں میں ہدایت دے آیا ہوں۔ وہ آرہے ہوں گے۔“

”تم.... کہیں.... وحشی۔“ ڈاکٹر نے دامت پیٹتے ہوئے آگے بڑھنا چاہا۔

”دیکھو یہ بُری بات ہے۔ میں بالکل نہتا ہوں۔ تمہیں اس طرح آگے نہ بڑھنا چاہئے۔“
فریدی نے ہنسنے لگا۔

ڈاکٹر سڈلر غصہ سے بے قابو ہو رہا تھا۔ اُس نے ششی کی ایک ٹنکی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”چچھ! یہ کیا کرتے ہو۔ کھڑے رہو۔ یہ تو تم اچھی طرح سمجھ رہے ہو کہ میرے پاس کیا ہے؟ اس چھوٹی سی شیشی میں بھرے ہوئے مادے کے یہ ذرات جنہیں تم نے اتنی محنت سے بنایا ہے میری الگیوں کی ذرا سی جنیش سے بکھر جائیں گے پھر اس کی تیاری میں تمہیں ایک مددگار جائے گی۔“ تم مر کر بھی اسے تیار نہ کر پاؤ گے! اس لئے! میرے پیارے ڈاکٹر سڈلر! جہاں کھڑے ہو وہیں کھڑے رہو۔ ورنہ میں اس شیشی کو توڑو! الوں گا۔“

فریدی پر سکون لمحے میں کھڑا رہا۔ باہر شور کی آوازیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ لوگ دروازہ توڑ رہے ہوں۔

”دیکھو! میرے ساتھی آگئے۔ ان میں ایک تو وہ ہے جس نے تمہارے دشمن قیطازی قبیلہ کے سردار کا سر توڑا لالا تھا۔ دوسرا میرے ساتھی ہے لیکن تمہیں یہ سن کر تجب ہو گا کہ تمہارے اکثر وہ ساتھی بھی جو میرے ساتھ ہیں جنہیں تم انغواء کر لائے تھے اور پھر جن کو ڈراؤ دھماکا کر پالیں کے خوف سے تم نے اپنے قابو میں کر رکھا تھا۔“

”آخر تم کون ہو؟ اور اس سب بکواس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟“
”میں کون ہوں؟ تم نہیں جانتے؟“ ڈاکٹر میرنام سے کر تمہیں بخدا آجائے گا۔ تم کاپنے لگو گے۔

باہر شور بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ حمید اور قاسم اور ان کے ساتھی پھانک توڑ کر شاکد اندر داخل

اپاںک ذاکر سڈ لرنے ایک زور کی جنگ ماری اور چکرا کر گر پڑا۔

فریدی اس وقت بہت کچھ سنبھال لینے کے بعد بھی اپنے کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ اسے خیل ہوا کہ شاہد ذاکر نے آخری وقت قریب دیکھ کر خود کشی کر لی ہے۔ فریدی اس کے ہاتھ میں سرخ دیکھ چکا تھا۔ اس نے شیشی پر سے اپنے ہاتھ ہٹائے اور ذاکر کی طرف بڑھا۔ ذاکر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

فریدی اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

قاسم کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ باہر گولیاں اب تک چل رہی تھیں۔ اتنے میں فریدی کو اپنے پیر میں کوئی چیز چھپتی ہوئی محسوس ہوئی۔ بے خیال میں وہ اچھلا اور دوسرا لمحہ ذاکر سڈ لرنی کی مکمل گرفت میں تھا۔ ذاکر نے اسے کری سے باندھ دیا تھا درد کے مارے فریدی کا سارا جسم پھٹا جا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے سارے جسم میں سوپاں تیز روی ہوں۔ ذاکر سڈ لرن کے سامنے کھڑا اسکراہا تھا۔

”کہو صاحب زادے۔“ اس نے تفہیم لکایا۔ ”اب خیرت کا خط لکھتے رہنا۔ ذاکر سڈ لرنے لڑنا آسان کام نہیں ہے۔“

”تم بھی نہ پھا سکو گے۔“ فریدی نے سکون لجھ میں بولا۔

”ابے جا مخربے! تو نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے؟“ ذاکر سڈ لرن حقارت سے بولا۔ اچاں وہ مرا اور میز پر ہاتھ رکھ کر اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے کوئی پروفیسر کلاس روم میں لڑکوں کے سامنے پیچھو دیتا ہے۔

”مرتزم کیا کر لے آئے تھے بھاں۔ پڑھ نہیں تمہاری ہمت کیسے پڑی۔ خیر! تم معمولی آدمی ہوئے حماقت کر بیٹھے۔ اب تیجہ بھگتے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ بلا وجد تم نے اپنی موت کو دعوت دی۔“ والرمیزرا تمہارا کیا مقابلہ؟“ وہ پُر جوش لجھ میں بولا۔ ”میری ایجاد پر دنیا کا پانچھلی۔“ دنیا کا ہر ملک مجھے خریدنا چاہے گا اور جانتے ہو اس وقت میری قیمت کیا ہو گی؟ پانچ میں ذار! کبھی اتنے ذا رلوں بکامام خواب میں بھی ساہے؟ نہیں ساہو گا مجھے یقینی ہے۔“ وہ آپ ہی آپ پھر بڑوانے لگا۔ ”باہر یہ لوگ اتنا شور کیوں کر رہے ہیں یہ کجھ راجیل بلاد جہ ساری میگزین خالی کئے جارہا۔“

ہے۔ ارے آنے دوادو منٹ سے زیادہ ان کو مرنے میں دیر نہیں لگے گی۔“
ایک جیغ فضائیں ابھری۔

”آفہ! غصب ہو گیا۔ راہیل شائد خی ہو گیا۔ اُسی کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ اے مسٹر! اونکھوں! مجھ سے سن لو تاک تمہیں حضرت نہ رہ جائے کہ مرنے سے پہلے کسی باوقار آدمی سے سابقہ نہیں پڑا۔ مگر تھہر و... مجھے راہیل کے مرنے کا افسوس کرنے دو۔ بڑا وفادار آدمی تھا۔ مگر قابو اسلام... میں نے اپنی آنکھوں سے اسے گلا گھونٹنے دیکھا ہے۔ مجھے خون بہانے میں ذرا بھی مزہ نہیں آتا۔ مگر اس سور کو پہنچ نہیں کوئی لٹ تھی۔ اب بھی دیکھو! میں اگر چاہوں تو پھر کی طرح تمہیں مسل کر رکھ دوں... مگر نہ... مجھے جان لیتے ہوئے رحم آتا ہے۔ ایک یادو کو مارنے سے کیا۔ گلا گھونٹ دیا۔ گولی مار دی! چھرا بھوک دیا۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ میری ایجاد دیکھو! لوگوں نے بھی بیانے جن کے پھٹنے سے درجہ حرارت بڑھ جائے گا اور میں جو ایجاد کر رہا ہوں اس سے درجہ حرارت نقطہ انجام پر پہنچ جائے گا۔ ہر چیز جنم جائے گی۔ پلتے ہوئے آدمیوں کا خون بند ہو جائے گا۔ ان کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ مرنے میں صرف چند سینکڑ لگیں گے۔

لب آج کی رات اور! میرا تجربہ قریب قریب مکمل ہو چکا ہے۔ میں دو روز بعد بھاں سے چلا جاؤں گا۔ پھر یہ حسین داوی وحشی قبائلوں کے قبضہ میں آجائے گی۔ اس کا حسن بگڑ جائے گا۔ اسے بڑی محنت سے میں نے خدا کیا تھا۔ مگر افسوس...!“

ذاکر سڈ لرنے ایک مختذلی سانس بھری اور فریدی کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

”یہلو! مسٹر... مگر بھی مکاری کی حد نہیں ہوتی۔ تم تو ایسا منہ بنا رہے ہو جیسے مرنے کا ازادہ کر رہے ہو؟ یہ کیا بد تیزی ہے! میں نے تمہیں صرف نیم یہو شی کا ہلاکا سانچکش دیا تھا۔“ ذاکر سڈ لرنہ پڑھنے ہوئے بولا۔

کوئی بھی اب بھی شور ہو رہا تھا۔ وہ لوگ شاہد ذاکر کے آدمیوں کو ختم کر کے میرے ہیاں نہ لے کر رہے تھے۔

اتنے میں وسل کی آواز سنائی دی۔

”پولیس...!“ ذاکر سڈ لرن بڑا پا۔ ”یہ کہتے کہاں سے آگئے۔ نہیں راستے کا پتہ کیسے چلا۔ ضرور کسی نے غداری کی۔ مگر...!“ وہ آپ ہی آپ پر ک گیا۔

کوئی جواب نہیں آیا۔ شاید پولیس کے ہتھے چڑھے گے۔“

نیچے ہنگامہ اور نیز ہو گیا تھا۔ لوہے کے جنگلے دار دروازوں پر پولیس زور آزمائی کر رہی تھی۔

چاروں طرف بتوں کی کھڑک رہبہت اور سیٹیوں کی آواز گونج رہی تھی۔

”تم سمجھ رہے ہو گے کہ میں پاگل ہوں، جو اتنا وقت خراب کر رہا ہوں۔ مجھے انتظار ہے اور انتظار کا وقت باتوں ہی میں کشنا ہے۔“

بے چنی سے ٹھلتے ہوئے اُس نے گھڑی دیکھی۔

چمن کی آواز ہوئی اور کھڑک کی ایک شیشہ ثوبت کر گر پڑا۔

”ارے غضب ہو گیا۔ یہ لوگ چھٹ پر آگے۔“

ڈاکٹر سڈلر کے منہ سے نکلا۔ اُس نے شیشے کی ایک پتلی نیکی اٹھائی اور اسے اپرٹ لیپ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”وہ میاں! اب یہ بظاہر بیکار سی پیچ کار آمد ہو جائے۔ پانچ منٹ بعد یہ پھٹے گی اور اس میں سے ایک باریک دھوئیں کی دھار نکلے گی اور وہ تم سب لوگوں کے لئے کافی ہو گی۔“

لوئیز سے بھڑک رہی تھی۔ ڈاکٹر سڈلر اسے اپرٹ لیپ کے قریب لے گیا۔

”سب تیار ہے۔“ پچھے سے کسی نے کہا۔

ڈاکٹر سڈلر نے گوم کر دیکھا۔

”اچھا...!“ ڈاکٹر کے لہجے میں خوشی جھلک رہی تھی۔

آئے والا جیسے ہی مزاویے ہی ڈاکٹر کے منہ سے ایک بھی انکی تھیں نکلیں وہ لٹکھڑا کر گر پڑا۔

تابد توڑ کئی گولیاں کھڑکیوں کے شیشے توڑتی ہوئی گزرنگیں۔

ہوا یہ کہ فریدی اب تک بڑی خاموشی سے ڈاکٹر سڈلر کی بات سن رہا تھا۔ اس سے پہلے جب

ڈاکٹر کی نظر بچی تھی وہ اپنی کرسی کھسکا کر میرے قریب ہوتا گیا تھا۔ دبارہ جب ڈاکٹر اپس آیا تو

وہ اس کے بالکل قریب تھا۔ جیسے ہی ڈاکٹر مرا، فریدی کرسی سیستی اس پر گر پڑا۔

ڈاکٹر اس غیر متوقع حملہ کے لئے تیار نہیں تھا۔ سنجھنے سنجھنے وہ گر پڑا۔ اس کے ہاتھ سے

شیشے کی نکلی گر پڑی تھی۔ اُس نے اٹھا پا ہاگر اُس کے اٹھنے سے قبل ہی فریدی نے اپنے جسم سے

پھر اُس کو دھکا دیا۔

”بیان کے دل سے بھوت کا خوف نکل گیا۔ یہ تو بہت برا ہوا... خیز دستواؤ! اب تم اس کمرے میں دولا شیں ملیں گی۔ ایک اُس نوجوان کی اور دوسرا میرے تجربے کے شکار ڈاکٹر سڈلر تو جاتا ہے۔ تم اب اُس کی گرد بھی نہ پاسکو گے۔“ وہ مسکراتے ہوئے ایک کرسی طرف بڑھا۔

”ماستر! دنیا کا ہر آدمی ہائی سکول یا شدید قسم کی جنسی خواہشات کا شکار ہوتا ہے۔ یہ کمزور

میرے ساتھ بھی ہے۔ اب دیکھ لو کہ ایسے وقت میں بھی بغیر عورت کے نہیں بھاگ سکتا۔“

ڈاکٹر سڈلر نے کہا۔ اُس نے دراز سے کچھ کاغذات نکالے اور انہیں جلانے لگا۔

”اب یہ فارمولہ کی کوئہ معلوم ہو سکے گا۔“ اُس نے پھر کہا اور شیشی اٹھا کر جب میں رکھ لے۔

”کتنی عورتیں! اور کتنے مرد لیا! افسوس کہ اب سب مر جائیں گے۔ میری مجھے کیا؟ ایک ایک دن تو مرتے ہیں! آج ہی مر جائیں۔ کیا فائدہ ان کے بچنے سے، انہیں تو میں نے اٹھا ہی

لے کیا تھا۔ میں نہ مارتا تو قیطریاں باراڑا لئے۔ پوچھ پکی لیتی۔“

ڈاکٹر سڈلر بڑھاتے ہوئے دوسرا کمرے میں گیا اور ذرا ہی دیر بعد نکل آیا۔

فریدی خاموش کری پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے اپنے ہونٹ بھینچ رکھتے تھے۔ رہ رہ کر اُس کے

آنکھیں چمک اٹھتیں۔ وہ اس طرح ڈاکٹر سڈلر کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے کہ بات کا منتظر ہو۔

پچھے کا شور بھیاںک ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر سڈلر نے اپنے خونخوار کے جھوڑ دیے تھے۔ یہاں کے

لوگ فریدی کے اکسانے پر اس جنم سے چھکارا حاصل کرنے کے لئے آخری جدوجہد کر رہے

تھے۔ دہان کتوں کو دیکھ کر گبرا لٹھے۔ ان کے قدم اکھڑ رہے تھے۔ مگر ڈاکٹر کے ساتھی بھی ہیں

تحوڑے رہ گئے تھے۔

ڈاکٹر سڈلر بہت جھلایا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ فریدی کی جگہ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو شادیات

پچھاں بھی نہ پاتا! سیکل گھاٹی میں جو بھوت دیکھے گئے تھے ان میں اور ڈاکٹر میں کوئی فرق نہ تھا۔

فریدی کو دیکھ کر اُس نے ایک قہقہہ لگایا۔

”تمہارے ساتھی بڑے بد تیز معلوم ہوتے ہیں۔ انہیں اتنا بھی خیال نہیں کہ ایک سا سن

دان سفر کی تیاری کر رہا ہے۔“ وہ پہاڑا اپاک اُس کی آواز میں سختی پیدا ہو گی۔ ”لیکم گذہ میا

بھی کچھ گڑ بڑ ہے۔ ابھی میں نے واٹر لیس سے فرازو میں فیبر اور غرتاش سے بات کرنی چاہی تھا۔

ڈاکٹر کا ساتھی، جو اسے اطلاع دینے آیا تھا۔ یہ دیکھتے ہی پلٹ پڑا۔ بے تحاشہ اُس نے فریدی پر کرسی کھینچ کر اپنی غالب اس کے لئے تیار تھا اور اس اجیسے وہ ہٹا پوری کرسی ڈاکٹر سٹولر کے اوپر پڑی۔

جھنگھلا کر اُس نے لوہے کا ایک موٹا ساروں اچھا لیا۔

انتہے میں دو آدمی کھڑکیوں کے راستے سے اندر کو د آئے۔

”محمد بھائی... دیکھتے ہو سا لے کو۔“ کہتے ہوئے قاسم ڈاکٹر کے ساتھی پر نوٹ پڑا۔
جید نے جلدی جلدی فریدی کی رسیاں کھول دیں۔ اُس کی آنکھوں میں جیسے خون اتر
ڈاکٹر سڈلر خاموش پڑا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ بازی ہار گیا ہے لیکن اب بھی انہیں تھی
کو فریدی کی طرف متوجہ پا کر اور قاسم کو اپنے ساتھی سے لٹاتا ہوا دیکھ کر ڈاکٹر سڈلر نے م
غصہ جانا۔ پچکے پچکے وہ سر کتا ہوا دروازے کے قریب آیا اور پھر جلدی سے انٹھ کر بھاگا۔
حمد نزدیک نہ لانا راختا، اُنکے لئے زکم، گم، ایسا نہیں کہ

اور پھر یک دہشت کے مارے اُس کے ہاتھ سے پتوں چھوٹ کر گر پڑا۔ میتیں گھائی والا بھوٹ اُس کے سامنے تھا۔ وہ گولیاں بر سار باتھا اور گولیاں اس پر اپنیں کر رہی تھیں۔ فریدی چھوٹے ہی ڈاکٹر کی سوت میں دوڑا۔ پہلے کمرے کو پار کرتے ہی اُسے شعلے دکھائی یہ۔ ڈاکٹر نے بھاگتے ہوئے آگ لگادی تھی۔

"جمید... نیچے اتر جاؤ۔" فریدی وہیں سے چلایا۔

اگ بڑی تیزی سے پھیل رہی تھی۔ لکڑی کے تختے تٹوں رہے تھے اور بڑے بڑے پھر دوں کے عکس پر بہامیں اپنے تھے۔

حیدر اور قاسم پولیس کے ہمراہ عمارت خالی کر چکے تھے۔ ڈاکٹر سڈار کے سب ہی ساتھی یا تو عمارتے گئے یا کفرار کے جا چکے تھے۔ اگر بھاگنے کا کام تیزی سے خاری تھا۔ مگر ایسا لگتا تھا جیسے عمارت جلا کر ہی اگ دم لے گی۔

مگر اس ہنگامے میں فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حید چاروں طرف اُسے ڈھونڈ رہا تھا۔ گھبرا
لہبڑا کرو۔ مجھر نفس ت سے تو جھٹا دار ٹکڑے ڈھونڈتے ہوئے لگا۔

چاکن آگ کے شعلوں میں فریدی اُسے دکھائی دیا۔ وہ جاتی ہوئی ایک شہری کے سہارے

آگے بڑھ رہا تھا۔

”فریدی صاحب! خدا کے لئے۔“ حمید چلایا۔ اس کی آواز بھر آگئی۔ وہ پاگلوں کی طرح دوڑا۔
”دیکھ رہے ہو.... خدا کی قسم.... یہ آدمی کا کام نہیں ہے... فریدی صاحب۔“ حمید پھر
”لٹوٹ آئے....“ وہ دوڑنے لگا۔

مگر فریدی نے کوئی دھیان نہیں دیا۔ وہ تیزی سے ایک طرف کو دیکھا۔ ڈاکٹر سندھ رجھاگ رہا
تھا۔ اُس نے اپنے فرار کے راستے خود ہی مسدود کر دیئے تھے۔
فریدی اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ ایک نگلوڑے کے پاس آ کر وہ رکا۔ چاروں طرف شعلے
بھڑک رہے تھے۔ فریدی کو نہ پا کر اُس نے اطمینان کی سائنس لی۔ بیجوں کے بل اُس نے اتنا جاہل۔
ایک آہنی ہاتھ اس کی آردون پر پڑا۔ ڈاکٹر تملنا کر مزار۔
سامنے فریدی کھڑا تھا۔

”تمہیں اب بھی شبہ ہے کہ تم زندہ قیسکو گے؟“ ذات پیتے ہوئے وہ فریدی کی طرف بڑھا۔
”ڈاکٹر... فریدی اسے شکار کو زندہ پکڑنا بھی جانتا ہے۔“

”فَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنَاتِ تَعْرِضُهُنَّا كَتَبَ ”فَإِذَا كُنْتُمْ تُحِبُّنَّنِي مُكْثُرًا فَلَا يَجِدُنَّنِي“ سَعْيَهُ تَسْهِيلُهُ إِلَيْهِمْ وَكَمْ

بے تحاشہ وہ فریدی پرٹوٹ پڑا۔ فریدی ذرا سا ہٹا۔ پھر اس نے تان کر ایک گھونسہ ڈاکٹر کی ناک پر جھادیا۔ پھر دوسرا پھر تیسرا اپنے چھوٹے چھوٹے

ڈاکٹر سدر لڑکھڑا اور پھر تیوڑا کر گرپا۔ اُس کا سارا منہ خون سے تر تھا۔ فریدی کی جگہ سے نبی طرح جل گیا تھا۔ جا بجا خراشیں آگئی تھیں۔ لگنگوڑے پر کھڑے ہو کر وہ حلاما۔

پیچے لوگ آگ بجھانے کے سلسلے میں بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ فریدی کی آواز سن کر وہ ٹھہر گئے۔ منٹھا اٹھا۔ سسما۔ کنڈا۔ ادا۔ کاٹھ۔ سٹار اور فریدی۔ نخاں۔ لئے گئے۔

فرید کو دیکھ کر حمید کے پھرے پر منکراہٹ دوڑگی۔ مگر وہ منہ پھلا کر بیٹھ گیا۔ ”شکار کھلنے اثر ناف لائے تھے! بڑے بالوں والی لوسریوں کا شکار! ہونہہ!“ حمید بڑپرانے لگا۔

امن کا دشمن

دوسرے ہی دن سب لوگ ٹیکم گڑھ لوٹ آئے۔
غرتاش اور اُس کے دوساری اور فزار کافیر پہلے ہی حرast میں لے لیا گیا تھا۔ ڈاکٹر سڈرا
تو پولیس کی حرast میں تھا۔

تمام واقعات اس طرح اچاکت اور ڈرامائی طور پر پیش آئے تھے کہ ہر شخص حیران تھا
خصوصاً ڈاکٹر سڈرا کی شخصیت اور اُس کے بھوت کاراز بھی لوگوں کیلئے ایک معتمد سے کم نہ تھا۔
میجر نصرت کے بیہاں فریدی کی دعوت تھی۔ حمید اُس روز بہت بچک رہا تھا۔ بغل میں
قاسم دانتوں میں انگلیاں دبا کر شرمارہتا تھا۔
”حمد بھائی.... وہ مجھے گھور رہا ہے۔“
”تم بھی گھورنا شروع کر دو۔“

”جی....!“ قاسم نے کہا اور باقاعدہ طور پر آنکھیں نکال کر فرزانہ کو گھورنے لگا۔
”اُن کا وہ سامان تو آپ نے دیکھا ہی لیا ہوا گا جس کے ذریعہ وہ بھو توں کا بہروپ بھرتے تھے۔“
سفید فرکاہ لباس، جورات کو برف کی طرح سفید نظر آتا تھا۔ ڈیڑھ فٹ لمبے مصنوعی پنجے تھے۔
جو توں کی طرح پہننے تھے اور لباس کے پنجے پہننے کے بلٹ پروف سا اور سب سے زیادہ جیرت انگیز
ذہ میں جس سے وہ برف کے ذرات منتشر کرتے تھے۔ اس کا ایک روپ کا پاس برف میں ڈال دیا
جاتا تھا اور دوسرا سرا مصنوعی بھوت کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ میں چلتے ہی برف کے ذرات پاپ
میں کھنچنے لگتے تھے اور ہاتھ والا سرا انہیں بڑے فرس کے ساتھ منتشر کرتا رہتا تھا۔“

فریدی میجر نصرت کو سمجھا رہا تھا۔ حمید بھی اسکر بیٹھ گیا تھا۔

”لیکن مقصد.... آخر اس سے انہیں فائدہ کیا ہوا۔“

”حمد صاحب! یہی تو اصل کہانی ہے۔ ڈاکٹر سڈرا پر جنگ کے بعد اس کی حکومت نے
غداری، بغاوت اور سازش کے الزام میں مقدمہ چالایا تھا۔ لیکن کینہ کی نہ کسی طرح وہ نکل بھاگنے میں
کامیاب ہوا۔ اس کے دو سال بعد اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ٹیکم گڑھ کے نزدیک ایک بار

انے دیکھا گیا تھا۔ میرے حافظہ میں یہ چیز محفوظ تھی۔ اسی زمانہ میں اخواء کی وارداتیں ہونے
لگیں۔ جبے بد قسمتی سے یہ سمجھا گیا کہ لوگ دراصل برف باری اور شکار کی وجہ سے مر رہے ہیں
ہر شخص نے اپنی سمجھ کے مطابق تاویل کی اور ڈاکٹر سڈرا کا مقصد بھی بھی ہی تھا۔ اُس نے خوب فائدہ
اخیالی۔ اشوک اعظم کے زمانے کی گچھاؤں اور سرگوں کے ذریعہ وہ پہاڑیوں کے اس پار پہنچ گیا
وہیں پر اُس نے اپنی لیبارٹری قائم کی۔ لیکن جلد ہی ایک خطرہ اُس کے سامنے آگیا۔ وہاں پر ہٹنے
والے قیاری قبیلہ کے لوگ اُس کے دشمن ہو گئے اور اُس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ڈاکٹر سڈرا
کے قبیلہ کی عورتوں کو پکڑ دیا تھا۔ اُسے اپنے زہر لیے، مہلک اور جاہ کن آلات کے تجربے کے
لئے مردوں کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ ان کی طرف سے خطرہ دیکھ کر اُس نے بلیک میلنگ
شروع کی.... اُس نے ایسے لوگوں کو اپنے گرد انہا کرنا شروع کیا، جو جرائم پیشہ تھے اور پھر انہیں
کے ذریعہ اُس نے اخواء کی وارداتیں شروع کر دیں، جو مردیہاں سے جاتے تھے اُن میں سے اکثر
اس کے تجربے کا شکار ہو جاتے تھے اور پیشتر قیطاریوں سے لٹنے کے لئے رکھے جاتے تھے۔

گروہی کی لڑکی غائب ہونے کے بعد لوگوں کا دھیان جب سیتھ گھٹی کی طرف گیا اور خود
کرلوگوں کو توہمات میں پھنسا کر خوف زدہ کرنا چاہا۔
میں جب یہاں آیا ہوں اور میرے سامنے فرزانہ کی بیہوٹی اور پاگل پن کا واقعہ گذرائے،
تب ہی سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اس کے پیچھے کوئی بہت زبردست دماغ ہے وہ انگشن اس قسم کا
تھا کہ اس کے بارے میں اپنے یورپ کے قیام کے درمیان میں نے ساتھ معاً میرا ذہن ڈاکٹر
سڈرا کی طرف گیا۔ میں نے واقعات کی کڑیاں ملائی شروع کر دیں۔ پرانے ریکارڈ دیکھے۔ واقعات
کی نوعیت پر غور کیا اور میرا شک یقین میں بدل گیا۔ یہاں تک کہ ایک رات مجھے بھی ایک عام
شکاری سمجھ کر پکڑا گیا۔ غرتاش اور فزار کافیر ڈاکٹر سڈرا کے خفیہ اجنبت کا کام کر رہے تھے۔
انہیں کے آدمیوں کے ذریعے میں اور مجھ سے پہلے حمید اور قاسم ڈاکٹر سڈرا کی لیبارٹری تک پہنچے
سے ایک چھوٹی موٹی سی ریاست قائم کر رکھی تھی۔ اگرچہ سرگنگ کے ذریعہ مجھے لے جلا
یا تھا اور اس بات کی پوری کوشش کی گئی تھی کہ رازداری سے کام لیا جائے پھر بھی میں اپنے
ذہن میں مستوں کے ذریعے رستوں کے نقشے مرتب کرتا گیا۔ وہاں پہنچنے کے بعد مجھے کئی مجرم

”میا کہا تھا۔“

”بھی کہ تم وہ کرلو۔“

”میا کرلو۔“

”بھی تو کہا تھا کہ ان سے وہ کرلو... تو وہ ہو گیا... انہیں بھی اور مجھے بھی۔“

”میا ہو گیا؟ کچھ تو تباو۔“ فریدی بھی تفریخ کے موڑ میں تھا۔

”اچی وی... ہی ہی ہی۔“ قاسم دانتوں تلنے انگلی دباتے ہوئے نظریں جھکا کر آہستہ سے

بولا۔ ”عشق۔“

”عشق....!“ فریدی نے حیرت سے کہا۔ ”اتا برا ذلیل ذول لے کر عشق کرتے ہوئے

تمہیں شرم نہ آئے گی۔“

”شرم تو آتی ہے۔“ قاسم نے بڑی مصوبیت سے کہا۔

”اور میں نے سنائے کہ تمہاری شادی بھی ہو چکی ہے۔“

”ہو تو چکی ہے... مگر...!“

”مگر کیا؟“

”وہ مجھے ذریتی ہے۔ مجھے دیکھتے ہی چیخ مار کر بیہوش ہو جاتی ہے۔ ارے لا حول... چیخ مار کر۔“

”تم نے یقیناً کسی موقع پر اُسے ڈرایا ہو گا۔“

”اچی نہیں... لا حول ولا... میں تو اس سے شروع ہی سے بھی مذاق کرتا رہا ہوں۔“

”اچھا... ذرا باتا تو... میں بھی دیکھوں کہ تمہارے بھی مذاق کا کیا معیار ہے۔“

”میں کبھی کسی سے بھی مذاق نہیں کرتا۔ بہت سمجھیدہ آدمی ہوں۔“ قاسم نے کہا۔ ”مگر

بیرے دوستوں نے مجھے سمجھا دیا تھا کہ پہلے بھی مذاق کرنا۔ تو جناب میں نے جانتے ہی مذاق ہی

مذاق میں مسہری کے دونوں پائے پکڑ کر... اُسے مسہری سمیت سر سے اوپنچا اٹھا لیا۔ بس

صاحب وہ نہ جانے گیا۔ سمجھی کہ چیخ مار کر بیہوش ہو گئی۔ الا قسم میں ہس رہا تھا کوئی غصے میں ہوؤا ہی

ایسا کیا تھا۔“

فریدی پہنچنے لگا اور قاسم پھر بولا ”میں نے اُسے تین طلاقیں زبانی دے دی ہیں اگر زیادہ تاؤ

دلایا گیا تو لکھ کر بھی دے دوں گا۔ تو پھر آپ کیا کہتے ہیں۔“

ایسے دھکائی دیئے جنہیں میں جانتا تھا۔ خفیہ طور پر میں معلومات حاصل کرتا رہا۔ ذاکر را

ساتھیوں میں سے کئی ایسے تھے جو وہاں سے نکل جانا چاہیے تھے۔ انہوں نے سازار از اگل ایڈ

غوث نے اس سلسلے میں سب سے زیادہ مدد دی۔ اُسی نے مجھے بتایا کہ سات دن بعد ذاکر سڑا

بیہاں سے چلا جائے گا۔ وقت کم تھا۔ میں اُسی شام کو وہاں نے روانہ ہو گیا۔ قیطیاریوں کے سردار کو

یقین دلانے کے بعد کہ انہیں ذاکر سڑا کی چیزہ دستیوں سے نجات مل جائے گی۔ مجھے اُن سے

بھی بڑی مدد ملی اور جو راستہ پھر دن میں طے ہونا تھا وہ صرف ڈھانی دن میں طے ہو گیا۔ ٹکمک گذہ

پہنچ کر سب سے پہلے غرماش اور فرارو کے نیجہ کو حرast میں لیا گیا۔ پھر مجرم فریت کو ہدایت

دے کر میں واپس لوٹ آیا۔ میں نے ایک ایک گھڑی کا حساب لگایا تھا۔ میجر فریت گو کہ اُسی دن

چلے اور اُسی رات کو پہنچے جب انہیں پہنچانا چاہیے تھا۔ مگر پھر بھی انہیں ایک گھنٹہ کی دیر ہو گئی، اور

اتھی پریشانی اٹھائی پڑی۔ ”فریدی رک گیا اور اس نے ایک کھراش لیا۔

”مگر آپ نہیں کیوں گئے تھے۔“ حمید نے پوچھا۔

”اُس کے کمرے میں پیتوں نے کر جائے کار تھا۔ پھر میرا مقصد اُسے زندہ گرفتار کرنا تھا

اس لئے کہ وہ کوئی معمولی مجرم نہیں ہے۔ اس نے ساری دنیا کو تباہی کے عاز میں دھکیلے کا پالان

بیلایا تھا اور اگر وہ اپنی ایجاد میں کامیاب ہو گیا ہو تو کسی جنگ باز ملک کے ہاتھ اُسے فروخت

کر کے امن کے لئے ایک مستقل خطہ بن جاتا۔“ فریدی نے کہا۔

”فریدی صاحبت! پھر وہ ٹگڑی ٹگڑی اور قوں کا لائچ اور اتنی خاطر۔ کیوں کرتے تھے؟“ قاسم

نے مصوبیت سے کہا۔

”یہ نہیں جانتے کہ قربانی کے بکروں کی قربانی سے پہلے خوب خاطر کی جاتی ہے۔“ فریدی نے

کہا۔ سب لوگ ہٹنے لگے۔ قاسم پہلے تو پاگوں کی طرح سب کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر آپ اسی

آپ ہٹنے لگا۔

”اوپسی پر قاسم راستے بھر چکتا رہا۔“

”آپ تو جانتے ہیں فریدی صاحب!“ ایک دن اُس نے شرما کر کہا۔

”کیا جانتا ہوں۔“

”وہی... یعنی کہ... حمید بھائی نے جو ایک بار مجھ سے کہا تھا۔“

”کس کے لئے۔“

”یہی کہ اگر وہ ہو جائے تو کیا حرج ہے۔“

”گیا ہو جائے....!“

”ہی، ہی.... شش.... شادی۔“

”فرزانہ سے۔“ فریدی نے گز کر پوچھا۔

”جی ہاں۔“

”کیوں بکتے ہو.... اس کے بڑے بڑے الفاظ ہضم کر سکو گے۔“

”میں لغات کا مطالعہ شروع کر دوں گا۔ آپ وہ کراو تھے۔“

”وہ کر قل کی بیٹی ہے۔“

”تو میں کسی بھیارے کی اولاد نہیں ہوں۔“ قاسم گزر کر بولا۔ ”اگر کر قل صاحب انکار کر دیں گے تو میں سوبار انکار کر دوں گا۔ کیا سمجھتے ہیں وہ اپنے کو۔ میں کسی اور سے وہ کرلوں ؟ ہاں.... ایسے ہیے کر قل نیری جیب میں رکھے رہتے ہیں.... ہاں۔“

قاسم بڑا بتا رہا اور سورج غروب ہو گیا۔

تمام شد